منشور

قولِ فیصل

کوئی پکارے خدایانِ حسنِ ہستی کو
کہ پیش کرتا ہے شاعر وفا کے نذرانے
وہ جن کی بات سے برہم مزاجِ اہلِ حشَم
وہ جن کی ذات سے تازہ جنوں کے افسانے
وہ جن کا نام علامت شعور و حرکت کی
چلے جو قوتِ دار و رسن سے ٹکرانے

مری زمیں کے خداؤ یہ فیصلہ ہے سنو!
جہاں سے رسمِ محبت اٹھا نہیں سکتے
جنوں کو پابہ سلاسل تو کر دیا تم نے!
جنوں کا نقش دلوں سے مٹا نہیں سکتے
تمہارے بس میں سہی تیرہ ضابطوں کی سیاہ
قلم کی نوک پہ پہرے بٹھا نہیں سکتے

خالد حمیدی

ستمبر ۱۹۶۵ء · مدیر: سبطِ اختر · قیمت ۲۵ پیسے

ماہنامہ منشور کراچی

دسمبر ۱۹۶۵ء

میں

افروایشیائی اتحاد نمبر

پیش کر رہا ہے

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ

⁘ عالمی امن ⁘ افروایشیائی ممالک کے مسائل ⁘ افروایشیائی ممالک کی جدوجہد آزادی ⁘ افسانہ ⁘ سامراجی ممالک کی افروایشیائی ممالک کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے متعلق اپنی نگارشات جلد از جلد روانہ کردیں۔

ماہنامہ "منشور"

ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ ایئرپورٹ کراچی

حیات و کائنات کا ترجمان

منشور

جلد نمبر ۲ —— شمارہ نمبر ۹

مدیر

سبطِ اختر

قیمت فی پرچہ

پچیس پیسے

سال بھر کے لئے

تین روپے

ناشر

سبط اختر

مطبع

مشہور پریس میکلوڈ روڈ کراچی

پتہ

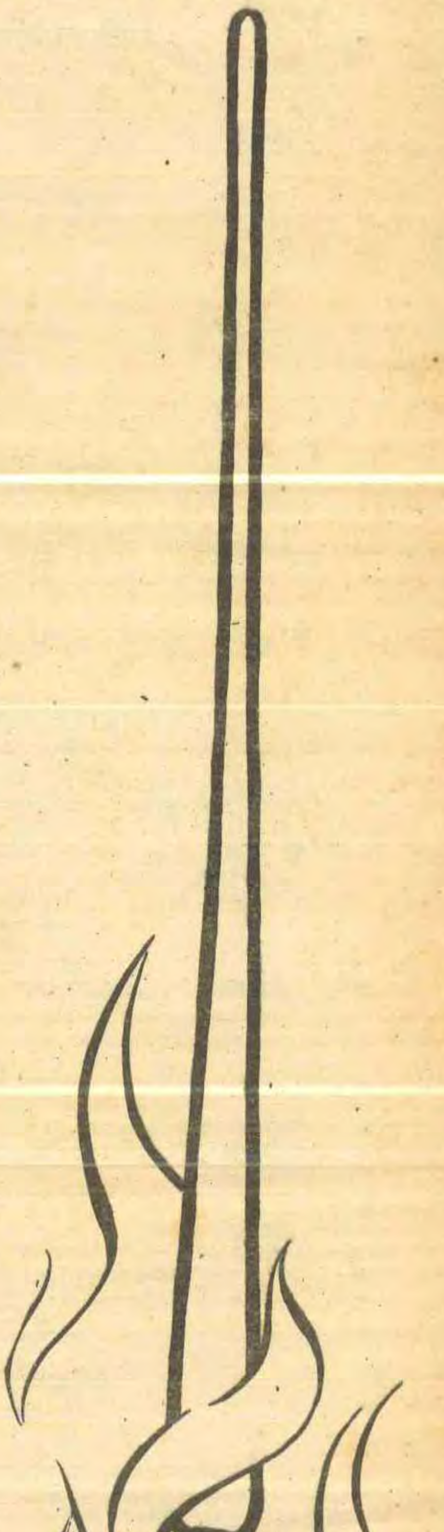
ماہنامہ منشور - ایئرویز ایمپلائز یونین

پی آئی اے برانچ - کراچی ایئرپورٹ

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱۶۹

اِس منشور میں

کشمیر



آخر کشمیر میں وہ جوالا مکھی پھٹ ہی پڑا جس کا نام "حرّیت" ہے۔

باشندگان کشمیر نے اپنی خود مختاری کے لئے سر سے کفن باندھ لیا ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب وہ آزادی کی دیوی کا پرنور چہرہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھیں گے جو گذشتہ ۱۸ سال میں صبر و سکون کے آنسو بہاتے بہاتے پتھرا کر رہ گئی تھیں ـــ مگر اب انھیں ترساں آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔ وہ لوگ جو پہلے دست بدعا تھے آج اپنے ہاتھوں میں تلوار بلند کر رہے ہیں۔ رنگ و نور کی وادی آج آگ کی لپیٹ میں ہے۔ شعر و نغمہ کی سرزمین پر جوشیلے نعرے گونج رہے ہیں۔ یہ آگ وہ مقدس آگ ہے جو آزادی کے ہر پروانے کے دل میں روشن ہوتی ہے۔ اور یہ نعرے وہ ولولہ انگیز نعرے ہیں جو زندگی کی حقیقی قدروں کے آئینہ دار ہیں۔ جو ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ غلامی کی زنجیریں بہرحال کٹتی ہیں۔

بدی کے نمائندے آج واویلا مچا رہے ہیں کہ کشمیر کے محبان وطن اب ان کے جھانسے میں نہیں آتے گلپوش دشمن برخطۂ زمین چین؛ اور پاکستان کے شورش پسندوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ کشمیری عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ فیصلہ بین الاقوامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ پاکستان یا ہندوستان۔ امریکہ یا روس۔ چین یا فرانس برطانیہ یا کوئی اور ملک اس معاملے میں اگر ٹانگ اڑاتے ہیں تو وہ لازماً کشمیریوں کے جمہوری حقوق کے غاصب کہلائے جائیں گے۔ اور جو ملک کشمیریوں کی آزادی اور حق خود اختیاری کی نہ صرف زبانی بلکہ عملی تائید و حمایت کرتے ہیں یقینی طور پر وہ کشمیریوں کے دوست کہلائیں گے۔

صاف صاف بات یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کی شکل میں برطانوی سامراج نے اپنے مخصوص فارمولے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے تحت پاک و ہند کو ایک ایسا تحفہ بخشا تھا جو دونوں ملکوں کے عوام کو کبھی متحد ہو کر سامراجیوں کا مقابلہ کرنے کا اہل نہ بنا سکے گا۔ انھوں نے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ ایک کو دبانے کے لئے دوسرے کو چڑھایا جائے۔

تقسیم ملک کے لئے جو پالیسی مرتب کی گئی وہ یہ تھی کہ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور غیر مسلم اکثریت کے علاقے ہندوستان میں شامل کئے جائیں گے۔ پنجاب اور بنگال کے سلسلے میں در پردہ جو سودے بازی ہوئی اس سے قطع نظر، کشمیر کے مسئلہ پر ہٹ دھرمی کا جو نقطۂ نظر اختیار کیا گیا وہ انجمن اقوام متحدہ میں داد و فریاد کے باوجود نہ بدلا گیا۔ باہمی گفت و شنید کے باوجود اس "راج ہٹ" میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ ان حالات میں اگر کوئی بات بنے بھی تو کیا بنے۔؟

اگر حیدر آباد، جوناگڑھ اور مانادور مسلم والیانِ ریاست کے ہوتے ہوئے غیر مسلم اکثریت کی وجہ سے، بزور یا برضا و رغبت جس طرح بھی کوئی سمجھنا چاہے، ہندوستان میں شامل ہو سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ کشمیر جہاں مسلم اکثریت پر غیر مسلم حکمران براجمان تھا پاکستان میں شامل نہیں ہو سکتا۔

خیر ــ ایک وقت تھا جب ہندوستان کا حکمران ٹولہ اپنے طبقاتی مفادات کے تحت تھوڑے بہت ترقی پسند رجحانات کا مالک تھا۔ اس زمانے میں یہ منطق عام تھی کہ کیونکہ پاکستان، سامراجی چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔ اسلئے مسئلۂ کشمیر کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں منظور کردہ یہ قرارداد کہ "کشمیر میں آزادانہ استصواب رائے کیا جائے" ترقی پسند طاقتوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ اگر سیاسی مصلحت پسندیوں کی روایات کے پیش نظر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ بات جب صحیح تھی تو کیا اب بھی جبکہ ہندوستانی حکمران، سامراج دوستی میں پاکستان سے آگے نکل چکے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے؟ اگر ہندوستان، پرتگال کی منڈی گوا کے لئے فوج کشی کرنے میں حق بجانب ہے تو کیا پاکستان بھی، ہندوستان کی منڈی کشمیر کے لئے فوج کشی کرنے میں حق بجانب نہ ہوگا؟ یہ منطق، یہ دلیل اور یہ حجت اور کچھ نہیں۔ محض ایک سہ پہلو آئینہ ہے جس میں ایک طرف کو جھک جانے والے ماہرین سیاست اپنے جانبدارانہ چہرے دیکھ سکتے ہیں۔

اگر سچ پوچھئے تو آج عالمی سیاست کا رخ بڑی حد تک بدل چکا ہے۔ بین الاقوامی توازن اقتدار مرتی ہوئی طاقتوں کے ہاتھوں سے نکل کر ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی ابھرتی ہوئی طاقتوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہا ہے۔ سامراج کے پرانے دوستوں کی اپنی صفیں کسی نہ کسی شکل میں آہستہ آہستہ بکھر رہی ہیں ـــ نام نہاد مصلحت پسندیوں کی پول کھل رہی ہے اور ان حالات میں خود مسئلہ کشمیر کی نوعیت میں بنیادی

باقی صفحہ ۶ پر



ہائے وطن

محبِّ وطن

جادو وہ جو سر چڑھ کو بولے!

محبانِ وطن قیام پاکستان سے لے کر کچھ عرصے پہلے تک منتظر رہے کہ یہ کہاوت کبھی تو زبان زدِ خاص و عام ہو گی، خیر سے وہ شبھ گھڑی آخر کو آ ہی گئی۔ ہمارے ویسے کا تیسرا پنجسالہ منصوبہ شروع ہوا، امریکہ بہادر نے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ پچاس کروڑ روپے کی امداد اس منصوبے کی ابتدا کے لئے دیں گے۔ مگر نہ معلوم بچا رگی کیا ہوا کہ چچا سام کانٹوں پر لوٹنے لگے۔ ڈھیل دیتے دیتے ڈوری کھینچ لی اور پتنگ کاٹنے پر تل گئے۔ کنسورٹیم کی میٹنگ ملتوی کر دی گئی اور وقتی طور پر لال جھنڈی دکھا دی گئی۔

یہ "امداد" کیا واقعی امداد ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کے ترقی پسند ———— عناصر شروع سے ہی یہ رائے رکھتے آئے ہیں کہ ہمیں کسی بھی ایسے ملک سے امداد (یا جو کچھ بھی اسے کہا جائے) نہیں لینی چاہیئے جو نہ صرف ہم پر بلکہ ہماری اگلی پچھلی سات پشتوں پر اپنا احسان دھرے تو دھرے اور پھر ہمارے اپنے اندرونی معاملات میں بے جا ہم سے زیادہ دخل اندازی کرے۔

مگر نہ معلوم کہ مغربی سامراجیوں نے کیا جادو سیکھ رکھا ہے کہ یارانِ طریقت بندہ بے دام بنے رہے، نہ سرے کھیلے نہ منہ سے بولے اور جب قوت گویائی بھی ختم کر بیٹھے تو بیچارے عربی گھوڑوں کی گردنوں میں "امریکہ تیرا شکریہ" کی تختیاں لٹکانے سے باز نہ آئے اس عرصے میں یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا اور ہم ——— ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں ہی رہے۔

ملکی معیشت و معاشرت کا جو حشر ہوا، وہ نہ ہم سے پوشیدہ ہے اور نہ آپ اس سے بے خبر ہیں۔

ان حالات میں صدر مملکت اور وزیر خارجہ اس بات پر مجبور ہو ہی گئے کہ وہ صدر جانسن کی بنیاگیری کے خلاف کچھ تو بولیں۔ صدر ایوب کے دورے کی منسوخی، پی آئی اے کی نیویارک سروس کے سلسلے میں حکومت جاپان پر امریکی دباؤ کے تحت ابھی تک لیت و لعل، ڈھاکہ ایئر پورٹ کے متعلق امریکی امداد کی زبانی یقین دہانی کے باوجود عین وقت پر عملی انکار، کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کی طرفداری ——— اور پھر اب تیسرے پنجسالہ منصوبے کے بارے میں "امدادی" رقم کا ہیر پھیر ——— یہ ساری باتیں ایسی تھیں کہ ان پر زیادہ دن تک چپ نہیں سادھی جا سکتی تھی ——— لہٰذا متعلقہ افراد بولے، انھوں نے اور کچھ کہا ہو یا نہ کہا ہو کم از کم اتنا تو کہہ ہی دیا ہے کہ —

"پاکستان کو دوستوں کی تلاش ہے آقاؤں کی نہیں" اور یہ کہ امریکہ سے آئی ہوئی رقم کو امداد کہنا غلط ہے۔ یہ تو دراصل سودی قرضہ ہے جو امریکہ پاکستان کو دیتا ہے۔ جس پر وہ اصل کے ساتھ ہی ساتھ معقول سود بھی وصول کرتا ہے۔ اور اس طرح اس سے پاکستان کے ساتھ ساتھ امریکہ کو بھی فائدہ پہنچتا ہے ——— سننے اور پڑھنے والوں نے یہ اور اسی قسم کے دوسرے جملے بغور سنے اور پڑھے ہونگے ———

اس موقع پر اگر تاریخ پاکستان کے گزشتہ اوراق پلٹے جائیں تو پتہ چلے گا کہ یہ ہی الفاظ جو آج مسند صدارت سے ادا کئے جا رہے ہیں۔ کہنے پر ——— ایک زمانہ تھا کہ محبانِ وطن کو غداران وطن کہہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وطن عزیز کے زندانوں کی بھی انھیں حق گو انسانوں کو محبوس کر کے رونق بڑھائی جاتی تھی۔ خیر کہنے والوں نے سچ ہی کہا ہے کہ وقت ہی سب سے بڑا منصف و شاہد ہے آج حقیقت حال سب کے سامنے ظاہر و عیاں ہے۔

اس سارے ہنگامے کے متعلق ہمیں جو بات کہنی ہے وہ یہ ہے کہ "نصف حقیقت مکمل جھوٹ سے بد تر ہوتی ہے" یا تو آدمی کوئی بات نہ کرے اور اگر کرے تو پوری اور کھری کھری کرے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ امداد یا سودی قرضہ پاکستان اور امریکہ دونوں کے لئے فائدہ مند ہے، بنیادی طور پر غلط ہے۔ اور غلط ہونے کے ساتھ ساتھ نصف حقیقت کے جذبے کے تحت کہی گئی ہے۔ یہ امداد ہم پاکستانیوں کے لئے فائدہ نہیں بلکہ یہ تو ایک معاشی جال ہے جو معاشرتی، سیاسی، ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور ادبی دھاگوں سے بنا گیا ہے اور یہ جال بننے والے، امریکی سفارت خانے کے وہ "جاسوس" ہوتے ہیں جو امریکی محکمہ سراغرسانی کی طرف سے سفارتی نمائندوں کے روپ میں بھیجے جاتے ہیں۔

یہ لوگ ملکی سیاست میں ہر قسم کی دخل اندازی کرنا اپنا حق اور فرض سمجھتے ہیں۔ داخلہ اور خارجہ پالیسیوں پر عوام الناس کا سروے کرتے ہیں، بلیٹن، پمفلٹ، ہینڈ بل، سرکلر اور کتابیں چھاپتے ہیں۔ تقسیم کرتے ہیں۔ اپنے ہم خیالوں اور ہم نواؤں کی دامے، درمے اور سخنے سرپرستی کرتے ہیں۔ ہر وزیر کے مشیر مقرر کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ ملکی سیاست کا جھگڑا آگے نہیں بڑھ رہا ہے تو "وزیر اعظم" تک درآمد کر بیٹھتے ہیں۔ سیٹو اور سینٹو جیسے جارحانہ فوجی معاہدوں میں پھانستے ہیں، امریکی سرمائے کی ریل پیل ہوتی ہے "امریکی ماہرین" کی کھیپ ہمارے ملک میں نظر آنے لگتی ہے جو "راجاؤں اور نوابوں" جیسی زندگی

گزار کر ہمارے افلاس پر قہقہے لگاتے ہیں ہماری معیشت کو زیادہ سے زیادہ "طفیلی" حیثیت دینے میں ان لوگوں نے نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ انھیں کے مشورے پر ہمارے یہاں بنیادی اور بھاری صنعتوں کا قیام قومی "مفاد" کے خلاف سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور نہ تو لوہے کا کارخانہ قائم ہو سکا اور نہ معیشت خود کفیل بن سکی۔

امریکہ کے مشنری اسکول ہمارے نوزائیدہ ذہنوں میں جو زہر ہدایت کر رہے ہیں وہ کم اذیت ناک نہیں مشنری نمائندے ہمارے نچلے اور غریب حلقوں میں جاکر جس طرح عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جیسے اب ان کے ملک میں علم و تہذیب سے بیگانہ کوئی فرد موجود نہ ہو۔ ہمارے نصاب تعلیم میں ان کتابوں کی کمی نہیں جو سراسر امریکی نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کی جاتی ہیں۔ ان درسگاہوں کی کمی نہیں جو امریکی خطوط پر چلائی جاتی ہیں۔ ان معلمین کی کمی نہیں۔ جو امریکہ کے تربیت یافتہ ہوں، اس ذہنیت سے مغز نہیں جو ٹیڈی ازم، بیٹل ازم، ہالی وڈ کی مرہون منت ہے۔ منگلا ڈیم کی امریکی آبادی کی کسے خبر نہیں۔ جو پاک وطن کی سرزمین پر ایک ناسور کی طرح موجود ہے۔ ان ادیبوں سے کون واقف نہیں جو مکتبۂ فرینکلن عرف امریکی چھاپہ خانہ کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی گزارتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ روپیہ ان کو ضمیر فروشی کے عیوض دیا گیا ہے۔ مانا کہ پیسہ بڑی چیز ہے، تسلیم کہ غربت بری چیز ہے۔ لیکن قومی عزت و وقار سے بڑی تو کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام سرگرمیوں کی باگ ڈور سنبھالنے والے اس عمارت میں بیٹھے ہیں جو از راہ دوستی خود ہم نے بنا کر تحفتاً پیش کی ہے۔

اور پھر سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ مذکورہ پس منظر میں جب سامراج دشمن مظاہرے ہوتے ہیں تو کچھ خوفزدہ سیاسی آوازیں یہ کہتی ہوئی سنائی دینے لگتی ہیں کہ کہیں امریکہ سے اور زیادہ تعلقات خراب نہ ہو جائیں ——" —— امریکہ کے سیاسی اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے۔

ہمارا مفہوم ان ساری باتوں سے ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم پنڈولم، کی طرح ایک طرف سے دوسری طرف چلے جائیں۔ ہماری سوچ تو یہ ہے کہ ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہوں۔ سامراج دشمن رول ادا کریں عوام دوست بنیں اور وطن کی عظمت و تعمیر کے لئے سب کچھ لٹا دیں۔ اس لئے لازمی طور پر سامراج کا پھن کچلنا ہوگا۔ سامراجی سنپولیوں کو پیروں تلے مسلنا ہوگا۔ سامراج دشمنی کی طرف بڑھے ہوئے موجودہ ایک قدم کو کافی سمجھ کر بیٹھ جانے کی بجائے وطن کے معاشی معاشرتی سیاسی، ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور ادبی غرض کہ تمام محاذوں پر امریکی سفارت خانے کی سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں کو محدود بلکہ مسدود کرنا ہوگا۔ اپنے آپ کو امریکی سودی قرضہ سے کنارہ کش کرنا ہوگا کہ یہ کسی بھی طرح سے پاکستان کے فائدہ میں نہیں جاتا بلکہ سراسر نقصان ہی پہنچاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا "ون وے ٹریفک ہے" جس پر امریکی مفادات کی آمد و رفت رہتی ہے۔ ہمیں سیاسی غفلت اور سامراج دوستی کی اس تاریخ کو نہیں دہرانا چاہئیے۔ جو ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ برطانوی سوداگروں کی تجارتی کوٹھیوں میں پروان چڑھتی ہے۔ ہندوستانی عوام کا خون پیتی ہے اور آہستہ آہستہ تمام جائز و ناجائز حربے استعمال کر کے ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئیے کہ اس زمانے میں "تجارتی کوٹھیوں" کے مقاصد وہی تھے۔ جو آج ان "جاسوسی سفارت خانوں" کے ہیں اور یہ بات تو ہمیں حفظ کر لینا چاہئیے کہ امریکہ —— آج بین الاقوامی سامراجی مفادات کا وارث بنا بیٹھا ہے۔

کہنے والوں نے کہا ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ مگر ہم ایسے سخت جان۔ نادان اور مورکھ ہیں کہ سامراج کا تیار کردہ زہریلا سیال مادہ اٹھارہ سال تک پیتے رہے۔ اور اب بھی اس پیالے کو نہیں پھینکتے جس میں یہ مادہ ہے اور جس پر "ساختہ امریکہ" کھدا ہوا ہے۔ جاگیرداروں، بڑے سرمایہ داروں اور بیوروکریسی کے رجعت پسند نمائندوں کے ان ہاتھوں کو نہیں کاٹتے جو اس پیالے کو تھامے ہوئے ہیں۔

آخر ہم اس فرائض منصبی سے کب سبکدوش ہونگے؟ آج ہم یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ گھڑی کی ٹک ٹک ہمیں متواتر یہ بتا رہی ہے کہ وہ ساعت گھڑی آ گئی ہے۔



بقیہ :- اداریہ

تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے یہ مسئلہ زیادہ دشوار نہ ہو۔ مگر اب یہ مطلوبہ شدت اختیار کر چکا ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہندوستان اچھا ہے یا پاکستان؟ مسئلہ یہ بھی نہیں ہے کہ پاکستان میں زیادہ معاشرتی و معاشی کیڑے ہیں یا ہندوستان میں۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ کشمیری عوام کیا چاہتے ہیں؟ اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں، وہ پورا ہونا چاہئیے یا نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس اہم ترین مسئلہ کو صحیح اور منصفانہ خطوط پر حل نہ کرنے کی کوشش قطعی طور پر ناکام ہوگی۔

جہاں دلائل معقولیت سے کام نہیں بنتا، وہاں آتش و آہن کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اور کشمیری عوام کی موجودہ سرگرمیاں اس صداقت کی آئینہ دار ہیں کہ وہ پھولوں کی مہک کے ساتھ ساتھ بولاد کی کاٹ اور بلبل کی نغمگی کے ساتھ ساتھ بارود کے دھماکے سے آشنا ہیں۔ واقف ہیں۔ یہ واقفیت و شعور آزادی کی مقدس دیوی، ہر انسان کو اس کے گہوارے میں ہی بخش دیتی ہے۔ یہ عظیم بخششیں نہ کبھی رائیگاں گئی ہیں اور نہ کبھی رائیگاں جائیں گی ——!!

مارکو پولو

صحرا بہ صحرا کو بہ کو

یونان

آزادی وجمہوریت کی راہ پر



پاپنڈریو :- یونان کس کا ہے۔
یونانی عوام کا یا بادشاہ کا — ؟

آج کل یونان میں ایک بڑی پرانی جنگ پھر سے شروع ہو گئی ہے — جھگڑا وہی ہے، جس سے نہ صرف تاریخ عالم بلکہ بذات خود یونان کے اپنے گلی کوچے اور در و دیوار بخوبی آشنا ہیں۔

فرد — اور — عوام
شاہ — اور — رعایا
آمریت — اور — جمہوریت
دربار — اور — پارلیمنٹ

یہ دونوں متحارب اور مخالف قوتیں — عرصہ دراز سے نبرد آزما ہیں اور آج پھر یونان ان دو رجحانات، دو نظریات، دو فریقین کے درمیان ہونے والی خون آشام جنگ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

عوام کے اقتدار اعلیٰ پر جب حملہ کیا جائے تو باشعور عوام اسے خاموش تماشائی بن کر نہیں دیکھ سکتے اور یہ ہی یونان میں ہو رہا ہے۔

اس ملک کے مطلق العنان شہنشاہ نے — عوام کے منتخب نمائندے — تسلیم شدہ وزیراعظم — پاپندریو — کو پارلیمنٹری نظام حکومت کے سارے قواعد و ضوابط پس پشت ڈالتے ہوئے برطرف کر دیا ہے۔ پاپندریو کی برطرفی کے ردعمل میں — یونانیوں کا جم غفیر — ایتھنز میں کی سڑکوں پر نکل آیا۔ مورخ نے اپنا قلم سنبھال لیا۔ یہ ضروری ہے کہ اس کا موضوع پرانا تھا۔ مگر اس مرتبہ کردار نئے تھے، پلاٹ نیا تھا، حالات نئے تھے، کردار نئے تھے، پلاٹ نیا تھا۔ میر کارواں نیا تھا۔

صدیوں تک سونے والے پھر بیدار ہو گئے۔ شہنشاہ کو پھر للکارا گیا۔ آمر مطلق کے خلاف کھلم کھلا نعرے بلند ہوئے۔ عوامی اقتدار اعلیٰ کی بحالی کی مانگ رکھی گئی۔ پاپندریو کی حمایت کے عہد نامے — انسانوں — نے اپنے خون سے لکھنے شروع کر دیئے۔

مطلق العنانیت کے نزدیک یہ بہت ہی سنگین جرم تھا لہٰذا اس جرم کی پاداش میں سات سو سے زیادہ افراد پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ متعدد افراد سے خون کی قربانی طلب کر لی گئی۔ کتنے ہی زخمی ہو گئے۔ ہزاروں آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیئے گئے — لیکن وہ سارے ہتھکنڈے جو عوام الناس کو دبانے کے لئے اختیار کئے جا رہے ہیں یا آئندہ اختیار کئے جائیں گے نہ تو کبھی کامیاب ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہوں گے۔ عوام کی قوتیں — موت کی قوت سے برتر ہیں۔ جہاں سے شاخ ٹوٹی وہیں سے شاخ پھوٹی ہے۔ یہ زخم دائمی زخم ہیں جنھیں بھرا نہیں جا سکتا — یہ ہمیشہ ہرے ہی رہیں گے۔

پاپندریو کی برطرفی کی وجہ — بظاہر صرف اتنی سی تھی کہ وہ فوج سے برگزیدہ بندے — کانستنتائین — کے چہیتوں اور لاڈلوں کو ہٹانا چاہتا تھا جن میں سرفہرست وزیر دفاع کا نام تھا۔ مگر "آقا" کو یہ منظور نہ تھا کہ رجعت پرست ظلم و جور کے عادی — اراکین فوج — ہی تو وہ بنیادی ستون ہیں جن پر اس کی سطوت شاہی کے نشان قائم ہیں اور پاپندریو — یونانیوں کے جذبۂ جمہوریت کا مظہر بھی باریک نکتہ سے اچھی طرح واقف تھا کہ جب تک ملک و قوم کی نگہبان فوج پر — فرد واحد — شہنشاہ — کی نگہبانی کرنے والے افراد کا قبضہ ہے۔ اس وقت تک کوئی جمہوری تحریک پنپ نہیں سکتی۔ یہ معمولی اختلاف رائے نہیں — یہ مسئلہ ہزاروں سال سے علم سیاست اور رموز مملکت سمجھنے کے، خواہشمند افراد کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور نہ جانے کب تک بنا رہے گا۔

کرنے کو تو کانستنتائین نے پاپندریو کو برطرف کر دیا مگر اب وہ "کٹھ پتلی جمہوریت" بھی اس کے گلے پڑ گئی جسکے تماشے، شاہ پرست وقتاً فوقتاً یونان کے دارالعوام میں اس لئے دکھایا کرتے تھے کہ عوام کی توجہ فرد واحد کی حکومت



جہاں جہاں پہ گرا ہے لہو شہیدوں کا
وہیں وہیں پہ بنائے حیات ڈالیں گے

سے ہٹی رہے۔ اس جمہوریت کا تقاضہ تھا کہ کانستنتائین پارلیمنٹ سے اپنے ان تمام اقدامات کی تائید و توثیق کروائے۔ لہٰذا اس نے معزول وزیر پاپندریو کی سینٹر یونین پارٹی کا ہی ایک ضمیر فروش فرد "نواس" ڈھونڈ نکالا — اور اسے وزیراعظم مقرر کر دیا۔ مگر وہ تین سو افراد پر مشتمل پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ دلانے



الٰہی خیر ہو اس شان کج کلاہی کی

پرتو قادر نہ تھا۔ چنانچہ یہ ہی ہوا اور تو اس ایڑی چوٹی کا زور لگا لینے کے باوجود ——— اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کر سکا اور اب وہ "تحریک اعتماد" کے نامنظوری کے بعد اپنی سیاسی زندگی کے بدترین غار میں دبکا ہوا پڑا ہے، کانستنتائین نے اپنی اس ناکامی کے بعد چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی مانند، پاپندریو کی پارٹی سے پھر ایک نیا مہرہ سہری مکاس نکالا — اور یہ پارلیمنٹ سے تحریک اعتماد منظور کروا لینے کی خوش فہمی سے بھی توبہ کر لی۔ مگر اب کون نہیں جانتا کہ اس رئیس الریاست کے یہ دونوں مہرے۔ چھوا اعلیٰ اور کفگیر خاصلے زیادہ حیثیت رکھتے تھے ——— حالانکہ شاہ نے اپنے منقش ترکش سے وہ تیر پھینکے ہیں جن کا نام ہے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" مگر مقام شکر ہے کہ یہ تیز اب نہ تو چھید ڈالنے والی وہ پرانی نوک رکھتے ہیں اور نہ ہی نشانے پر پہنچ پاتے ہیں — اور — اور یہ تیر اندازی بھی کارگر نہ ہو سکی

اس پورے ہنگامے میں دو پہلو بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ مغربی پریس نے اس تحریک جمہوریت پر جس جس طرح حاشیے چڑھائے ہیں وہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق پاپندریو اور فوج میں ملازم اس کا بیٹا — دونوں کے دونوں کمیونسٹوں اور بائیں بازو کی ——— جماعتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ گویا انھوں نے عملاً یہ اقرار کر لیا ہے کہ جمہوریت اور آزادی کی تحریک صرف یہ ہی جماعتیں چلا سکتی ہیں ورنہ دوسری جماعتیں تو "سمجھوتے بازیوں" کی قائل ہیں۔ اور ہمیشہ رہی ہیں

دوسرا پہلو یہ ہے کہ پاپندریو — کانستنتائین کی طرف سے ہونے والی عام اشتعال انگیزیوں، دھاندلیوں اور من مانیوں کے باوجود ممکن ترین قوت برداشت تحمل، بردباری۔ اور بلا کی ذہانت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ حالانکہ آج اس کے جارحانہ طرز عمل اختیار کر لینے پر شاہ کے تخت و تاج، عوامی ٹھوکروں کے مستحق بن سکتے ہیں اور صرف اسی وجہ سے ہے کہ پاپندریو کو اس بات کا یقین ہے کہ — تحریکوں کو دبایا تو جا سکتا ہے لیکن ان کو فنا کرنا ممکن نہیں — دبانے پر تو تحریکیں اور زیادہ شدت کے ساتھ ابھرتی ہیں ——— اور یہ ایک حد تک اس وجہ سے بھی ہے کہ اب کانستنتائین نے رہے سہے اقتدار کا دارو مدار چند فوجی حلقہ بگوشوں پر ——— اور تو اور اس نے احساس شکست کے تحت اپنے محکمہ پولیس اور جاسوسی کے اعلیٰ منتظمین کو بھی ہٹا دیا ہے۔ اور اب لے دے کر اس کا ایک ہی سہارا رہ گیا ہے — امریکی سامراج — یوروپ کے فوجی معاہدے ناٹو کے رکن کی حیثیت سے امریکہ ہی — شہنشاہیت کے مفادات کی نگہداشت کا "فرض منصبی" ادا کریگا بلکہ پاپندریو کی بہو کا تو کہنا یہ ہے کہ آج کل بھی، ساری سیاسی سیاسی سرگرمیوں میں امریکہ کا بدنام زمانہ محکمہ سراغرسانی — سی آئی اے اپنا پورا پورا کردار ادا کر رہا ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی — یونان نہ صرف اہل یونان — بلکہ دنیا بھر کے انسانوں کے لئے ایک عملی تجربہ گاہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس درسگاہ میں — ہر سیاسی کارکن، سیاستدان اور جمہوریت پسند کیلئے قدم قدم پر حکمت و تدبیر کے سبق مل رہے ہیں۔ جمہوریت کی یہ جنگ ممکن ہے کہ ابھی نہ جیتی جا سکے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امریکی سامراج کے زر خریدہ جمہوریت دشمن ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرزمین یونان میں داخل ہو جائیں۔ مگر قومی اور بین الاقوامی پس منظر میں یہ بات یقین اور اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جیت یونانیوں کی ہی ہونی ہے آج نہ سہی تو کل — یہ بات ہو کر رہے گی — لیکن یہ بات تاریخ سے بیگانہ لوگ مانتے ہی کب ہیں — انھیں تو ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

امریکہ

آزادی و جمہوریت کے شہر میں



ہو مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

لاس انجلس میں تاریخ کا بدترین نسلی فساد ہوا۔ اس ہنگامے میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۳۰ سے زائد نیگرو مارے گئے اور دو ہزار سے زائد سیاہ فام باشندوں کو جیلوں میں بند کیا گیا۔

امریکی تمدن میں نسلی فسادات کوئی خاص یا غیر معمولی بات نہیں ہے وہاں آئے دن نیگرو باشندے اور ان کے حامی سفید فام وحشیوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ کیونکہ ——— امریکی نیگرو سماج میں اپنا مقام، حقیقی مقام چاہتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو اسکولوں میں تعلیم دلانا چاہتے ہیں — وہ بہتر روزگار چاہتے ہیں۔ لیکن امریکی معاشرے میں انکے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا رنگ سیاہ ہے — قانونی طور پر تو اب سیاہ فام انسانوں کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا حق ہے۔ ووٹ دینے کا حق ہے — ملازمت کا حق ہے — لیکن عملاً حقوق سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ایک تہائی افراد سال کے کچھ عرصہ تک بیکار رہتے ہیں اور ان میں سے ۵۰ فیصد یقینی طور پر ۳ ماہ سے زائد عرصے کے لئے بے روزگار ہو جاتے ہیں ——— جب روزگار کا یہ حال ہو تو ان کے رہن سہن اور تعلیم و تربیت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ——— وہ آج بھی بلا روک ٹوک پارکوں سینما ہاؤس اور ہوٹلوں میں داخل ہونے کے حق دار نہیں۔ ووٹ کے لئے رجسٹر ہونے والے نیگرو کی تعداد کسی طرح ۲۰ فیصد سے زائد نہیں ہے اور تناسب تو بعض جگہوں پر ۲ فیصد سے آگے نہیں گیا ہے۔

ان حالات سے چھٹکارا پانے کے لئے نیگرو باشندوں نے ہمیشہ پرامن ذرائع استعمال کیے۔ لیکن نسل پرست افراد اور کلکس کلاں جیسی انتہا پسند جماعتیں ان پر قاتلانہ حملے کرنے سے کبھی نہیں چوکیں۔

"آزاد دنیا" میں امریکی جمہوریت کی بڑی "دھوم" ہے۔ اور امریکی ڈھنڈورچی آزادی اور جمہوریت کے راگ الاپتے نہیں تھکتے بلکہ ساری دنیا کو باور کرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ امریکہ "آزادی"

جمہوریت اور مساوات کا ایک "مثالیہ" ہے ـــــ یہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں آزادی وجمہوریت کا تحفظ امریکی سیاست داں اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اسی "فرض" کو انجام دینے کے لئے انھوں نے کانگو میں سازشیں کیں، ڈامینکن میں براہ راست مداخلت کرکے آزادی وجمہوریت کی تحریک کی پشت میں چھرا گھونپتا۔ اسی "مقدس ومتبرک" فرض کی انجام دہی کے لئے امریکی طیارے شمالی اور جنوبی ویت نام پر دن رات بمباری کر رہے ہیں ـــــ اور شاید اسی "مقصد" کے حصول کے لئے لاس انجلس میں نیگرو باشندوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔



امریکی نیگرو ـــــ سفید فام فوجی

لاس انجلس میں بے گناہ نیگرو باشندوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ان کے مکانوں کو جلا دیا گیا ـــ انھیں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ـــ کیونکہ وہ اپنی آزادی اور مساوات کے لئے جد وجہد کر رہے تھے ـــ وہ وہی کچھ عملاً چاہتے تھے جس کا انھیں امریکی قانون میں حقدار مانا گیا ہے اور جسے دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ وہ حکومت جنوبی افریقہ یا رہوڈیشیا کی نسل پرست حکومت کا بنایا ہوا نہ ہو۔ لیکن ہوا یہ کہ آزادی کے ان مجاہدین کو امریکی اخبارات میں "لوٹ مار" کرنے والے "غنڈوں" کے نام سے پکارا گیا ـــــ وہ "غیر مہذب" وحشی کے لقب سے نوازے گئے ـــ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ـــ

دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

کیونکہ انھوں نے امریکہ کے رجعت پسند حکمرانوں کو چیلنج کیا تھا ـــ کیونکہ انھوں نے امریکہ کے "آزادی" جمہوریت اور مساوات، کے حقیقی روپ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی گستاخانہ جرارت کی تھی۔

اپنے ہم وطن نیگرو باشندوں کے ساتھ سفید فام "مہذب اور متمدن" امریکیوں نے جو سلوک روا رکھا وہ مغرب کا دیرینہ رواج ہے ـــ کیونکہ انکے اپنے "خیال" کے مطابق سیاہ فام باشندے صرف رنگ کے کالے نہیں ہوتے بلکہ عقل وشعور کے اعتبار سے بھی ان سے "کم تر ہیں" ـــــ وہ مساوی حقوق کے کسی طرح "حقدار" نہیں ہیں ـــ یہ منطق ـــ یہ استدلال کتنا ہی بھونڈا کیوں نہ ہو پھر بھی امریکہ میں نیگرو باشندے کو ملازمت تعلیم اور دوسری تمام سہولیات سے محروم کرتے نیز انھیں ووٹ دینے کا اہل نہ تصور کرنے کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے اور امریکی نیگرو اسی غیر منطقی، اسی غیر مہذب ـــــ اصول کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔

امریکہ میں نیگرو ـــ سیاہ فام باشندے کیسے پہنچے ـــ یہ داستان دلچسپ بھی ہے اور ان مغربی دانشوروں اور باشعور عوام کو آئینہ بھی دکھاتی ہے۔ جو آزادی اور جمہوریت کے دلدادہ ہیں۔

جسطرح آج امریکی سوداگر ہر جگہ اپنی دکانیں کھولے بیٹھے ہیں ـــ جن کے ذریعہ صرف پیسہ ہی نہیں بٹورا جا رہا ہے۔ بلکہ قوموں کی خود مختاری کو بھی خریدا جا رہا ہے۔ اس طرح ان کے آباؤ اجداد بھی "فن سوداگری" کے ماہر تھے۔ اس زمانے میں کیونکہ مشینوں اور فوجی ساز وسامان کا کاروبار، شروع نہیں ہوا تھا اس لئے انھوں نے دوسری "راہیں" تلاش کی تھیں اور ان "راہوں" میں ایک راہ انسانوں کی تجارت بھی تھی ـــــــــ

یہ "نفع بخش تجارت" سفید فام تاجروں نے اپنے ملک میں افرادی قوت کو پورا کرنے کے لئے اختیار کی تھی ـــــ افریقہ سے ہزاروں لاکھوں انسان زنجیروں میں جکڑ کر امریکہ لائے جاتے اور انھیں فروخت کر دیا جاتا اور وہ "غلام" ان بنجر اور غیر آباد زمینوں کو اپنے خون سے سینچ کر آباد کرتے لیکن اس محنت کا کوئی ثمر انھیں نہ ملتا تھا۔ بلکہ وہ آقاؤں کے رحم وکرم پر ہوتے تھے ـــ مالک کو یہ حق تھا کہ وہ ان انسانوں سے جیسا چاہے سلوک کرے ـــ وہ اگر چاہے تو انھیں گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا ـــ لیکن یہ سخت جان نیگرو پھر بھی زندہ رہے ـــ انھوں نے بے پناہ محنت سے امریکہ کی زمینوں کو قابل کاشت بنایا ـــ امریکہ کو خوشحال اور ترقی یافتہ ملک بنانے میں ان کے سخت اور کھردرے ہاتھوں کا بڑا حصہ ہے ـــــ پھر بھی ـــ وہ غلام ـــ اور صرف غلام ہی کہلائے۔ اور ان غلاموں پر امریکہ کے مشہور زمانہ "اعلان آزادی" جس نے تمام امریکیوں کو "آزادی اور جمہوریت" کا پیغام سنایا تھا ـــ کا اطلاق نہیں ہوا ـــ اور وہ اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہے۔

نیگرو باشندوں نے جد وجہد آزادی میں اور "تزئین وطن" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مگر جب وہ اس میدان سے فتح یاب ہو کر گھر لوٹے تو انکے پاؤں میں زنجیریں تھیں ـــــ پہنانے والوں نے زنجیریں تو پہنا دیں۔ لیکن یہ بھول گئے ـــ کہ وقت کے دھاروں کو کبھی زنجیریں نہیں پہنائی جا سکتیں ـــ آج وہی زنجیریں ـــــ اپنے "آقاؤں" کو للکار رہی ہیں۔

امریکی نیگرو کے حقوق کی منظم جد وجہد کافی عرصہ سے جاری ہے جسے مختلف "رعایتیں" دیکر امریکی حکمران بہلاتے پھسلاتے رہتے ہیں۔ لیکن باشعور نیگرو اب یہ جان چکے ہیں کہ اپنا حق مانگنا ـــ خود "حق" کے لئے توہین آمیز ہے ـــ حق مانگنے سے نہیں بلکہ آگے بڑھ کر۔ لڑ کر ـــ چھین ـــ لیا جاتا ہے۔ اور آج امریکی نیگرو سر سے کفن باندھ کر میدان عمل میں نکل آئے ہیں برمنگھم۔ سیلما۔ اور اب لاس انجلس میں بہا ہوا مقدس خون انکی کامیابی کی ضمانت ہے ـــــ وہ جان چکے ہیں کہ خواہ وہ "نیگرو کے مساوی حقوق" کا بل ہو یا "ووٹ دینے کا بل" ـــــ سب کھلے ہوئے فریب ہیں ـــــ اس فریب کا پردہ چاک کئے بغیر وہ کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے ـــ کیونکہ انھوں نے عملاً دیکھ لیا ہے کہ صرف "کاغذی قانون" انکے حقوق کا ضامن نہیں بن سکتا ہے ـــ یہ سب قانونی ذرائع ناکام ہو چکے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ جب وہ ان قوانین پر عمل درآمد کے لئے مظاہرہ کرتے ہیں تو انھیں گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے ـــ

ظلم وجبر کی ایک حد ہوتی ہے اور جب اس حد سے آگے بڑھ جائے تو مظلوم ـــ آہنی عزم سے ظالم کو للکارتا ہے۔ یہ تاریخ کا درس ہے ـــ یہی قوموں کی داستان ہے ـــ اور یہی امریکی نیگرو ـــ امریکی رجعت پرست سرمایہ داروں کو جتانا چاہتے ہیں ـــ فتح یقیناً ان ہی کی ہوگی۔ اور شکست ـــــ حق اور انصاف، آزادی وجمہوریت کے قاتلوں کی ـــــ ۞

احمد رئیس

درد کے شہر میں

موسمِ ہجر میں
درد کے شہر میں
ظلم کی چھاؤں میں
سولیوں کی گذرگاہ پر
کتنے ہی راہ رو
کتنے ہی قافلے
سوئے منزل چلے

سوئے منزل چلے
کتنے ہی راہ رو
جنکے چہروں پہ تھا عزم کا بانکپن
اک نئی سرخوشی
اک نئی زندگی
جنکے ہونٹوں پہ تھی حسن کی داستاں
پیار کا تذکرہ
جنکی نظروں کی شمعیں ضیا بار تھیں
کیف و مستی سے سرشار تھیں

جنکے دل کے نگر میں تھی پھیلی ہوئی
چاندنی ـــ خلق و ایثار کی
جنکے زیرِ قدم
فصلِ گل
نو بہارِ چمن
انقلابِ زمن
جنکے ہاتھوں نے جب مل کے یلغار کی
ڈھا دیئے قصرِ ظلماتِ شب!

وہ جری سورما
منچلے راہ رو
سرفروشی کی دل میں تمنا لئے
روشنی کا مبارک ارادہ کئے
جب کبھی آگے بڑھے
تیرگی میں افق در افق چھا گئے
رنگ چھلکا گئے
نور برسا گئے

زندگی کا لہو نذر کرتے ہوئے
احمریں صبح کے جام بھرتے ہوئے
خود نہ جانے کہاں کھو گئے
درد کے شہر میں
ظلم کی چھاؤں میں
سولیوں کی گذرگاہ پر......



دوسرے دوستوں سے بچو کیونکہ وہ تمہارا تعارف بن جاتے ہیں ——— حضرت محمدؐ

علم مال و دولت سے کہیں بہتر ہے۔ کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور مال و دولت کی تمہیں حفاظت کرنی پڑتی ہے ——— حضرت علیؓ

خیالات جب تک محض خیالات رہیں اس وقت تک تو کوئی بات نہیں۔ لیکن جب ان پر لوگ عمل کرنے لگیں تو معاملات بہت اہم ہو جاتے ہیں ——— برنارڈ شا

جنگ ایسی بلا ہے جو انسان کا خون پی کر زندہ رہتی ہے ——— روسی کہاوت

دو عقلمند پڑوسی دو بے وقوف بھائیوں سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں ——— ابراہیم جلیس

اس زندگی میں یوں ہی ہوتا ہے، جب خوبصورتی چلی جاتی ہے تو روپیہ یاد آتا ہے، جب محبت چلی جاتی ہے تو انتقام یاد آتا ہے، جب شباب گذر جاتا ہے تو اخلاق سر اٹھانے لگتا ہے۔ جب زندگی سے اچھی چیزیں نکل جائیں تو صرف کمینہ حرکتیں باقی رہ جاتی ہیں ——— کرشن چندر

اگر "فرض" قوموں کی سلامتی کو تباہ اور "وطنیت" حیات انسانی کے سکون کو برباد کر دے تو ایسے "فرض" اور ایسی "وطنیت" کو دور ہی سے سلام ——— خلیل جبران

اگر افراد سماجی رشتوں میں منسلک نہ ہوتے اور ان سماجی رشتوں کو قریب اور مضبوط کرنے کے لئے انھیں ہم کلامی، ہمدردی، ہم رنگی اور ہم آہنگی کی ضرورت نہ ہوتی تو نہ زبان و ادب کا وجود ہوتا، نہ نقاشی و مصوری کا ظہور ہوتا، اور نہ رقص و موسیقی کی نمو ہوتی۔ ضروریات زندگی کی پیدائش اور فن کی تخلیق میں چولی دامن کا ساتھ ہے ——— ڈاکٹر عبدالعلیم

ہمارے حاکم بادشاہوں یا وزراء ہوں ہم غریبوں کی حالت ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے ——— اورنگ اسٹون

دنیا میں جتنی لعنتیں ہیں بھوک انکی ماں ہے۔ بھوک گداگری سکھاتی ہے۔ بھوک جرائم کی ترغیب دیتی ہے۔ بھوک انتہا پسندی کا سبق دیتی ہے۔ بھوک عصمت فروشی پر مجبور کرتی ہے۔ اس کا حملہ بہت شدید، اس کا وار بہت بھرپور اور اسکا زخم بہت گہرا ہوتا ہے ——— منٹو

جب تم دیکھو کہ ایک عالم کا اکثر امراء کے ہاں جانا آنا ہے تو سمجھ لو کہ یہ چور ہے۔ ——— سعید بن المسیبؒ

آزادی بے روک قوت ہے جسکا سرچشمہ شعور ہے اس لئے یہ خالص موضوعی چیز ہوئی جس پر فطرت کے جبر و الزام کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ——— احتشام حسین

اس دنیا کے کسی کام کے اندر اس وقت تک تبدیلی نہیں ہوتی جب تک کوئی شخص اس میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ ——— گارفیلڈ

بنی نوع انسان کی سچی محبت کا حصول اسی وقت ممکن ہو گا جب طبقاتی امتیازات ساری دنیا سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے ——— ہاؤزے تنگ

شعور کو تاریخ اور ماحول سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر چیز کی طرح انسانی سماج کے ساتھ شعور بھی بدلتا ہے اس لئے شعور کی تبدیلی انسانی فطرت کا تقاضہ ہے ——— سردار جعفری

چھوٹے چور تو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں مگر بڑے ڈاکو سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے مرصع ہو کر کھلے بندوں اکڑ اکڑ کر گھوم رہے ہیں ——— کیٹو

زمانہ قدیم میں امیروں (جاگیرداروں) نے غریبوں کی بغاوت کو روکنے کا یہ موثر طریقہ ایجاد کیا تھا کہ غریبوں کی پسینے کی کمائی کا تھوڑا سا حصہ انھیں خیرات کی صورت میں واپس دیدیا کرتے تھے ——— آسکر وائلڈ

دیوار کا ہر پتھر خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اپنی قیمت رکھتا ہے ——— لانگ فیلو

شادی سے یہ غرض نہیں کہ ایک دوسرے کے جسم پر حکومت حاصل ہو بلکہ یہ کہ ایک کی کمی دوسرے سے پوری ہو ——— سموئیل

جب کوئی شخص عوام کا اعتماد حاصل کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو عوام کی ملکیت سمجھے ——— ٹامس جیفرسن

محمود چاند پوری

جوئے شیر

ایک ساتھ دسیوں گینتی اور پھاوڑے خاص انداز سے فضا میں بلند ہو کر بڑے نغمہ ریز دھماکوں کے ساتھ دھرتی کی چھاتی پر گر پڑتے ہیں انداز وہ نہیں جو بیج کے دانے گرنے کا ہوتا ہے۔ اس میں درخواست، عاجزی اور کمتری کا رنگ ہوتا ہے۔ گینتی اور پھاؤڑوں کے اوپر اٹھانے اور پھر نصف دھڑ کی طاقت سے انھیں نیچے گرانے میں خرماں شگنی اور برتری کا جذبہ جھلکتا ہے۔ جیسے مزدوروں کے گینتی پھاوڑے کسان کی طرح زمین سے مانگنا نہیں چاہتے۔ بلکہ اسے کچھ دے ڈالنے کی امنگ رکھتے ہیں۔ دو تین مہینے سے کام اسی طرح چل رہا ہے۔ مزدور زمین کی لمبی سی مانگ بنا کر اسے سنوارتے جا رہے ہیں سیندور کی سرخی سے نہیں کولتار کی گہری سیاہی سے وہ اس مانگ کو سنوار رہے ہیں۔ جاڑوں میں مزدوروں کو پسینہ نہیں آتا تھا سردی لگتی تھی اس وقت حوصلے کی گرمی ہی سے ٹھنڈی ہواؤں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ اور اب بڑے زور کی گرمی پڑ رہی ہے۔ دور تک سائے کا نام نہیں اونچی اونچی پہاڑیاں حد نظر تک لیٹی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں ۱۵ ارمئی کی دھوپ ہر طرف آگ بکھیر رہی ہے۔ مزدور اس گرمی میں بھی بڑی تیزی سے کام کر رہے ہیں۔ جیسے کام ہی انکی زندگی اور طاقت ہو۔ لُو کے تیز و تند جھونکے حسن کی ٹٹی سے نکلی ہوئی خنک ہواؤں کی طرح ان کی طرف آتے محسوس ہو رہے ہیں اور انکی رگوں سے طاقت اور ہمت کے سوت ابل رہے ہیں۔ تھکن کا احساس ان کے اعصاب کو چھو بھی نہیں سکتا۔ گینتیاں گہری اور گہری ہوتی جا رہی ہیں بیچ بیچ میں کچھ مٹی کے مینار اس طرح کھڑے نظر آ رہے ہیں جیسے منڈے سروں پر چوٹیاں لہرا رہی ہوں ذرا فاصلے پر اسٹیم رولر دھواں اگلتا آگے پیچھے دوڑ رہا ہے سڑک پر مٹی ڈال کر جو بولڈر بچھا دیئے گئے۔ وہ برابر ہوتے جا رہے ہیں۔ نشیب و فراز آپ ہی آپ مٹ رہے ہیں۔ مزدوروں کی قطاریں ہرون پر گٹی کی ڈلیاں اٹھائے اس طرح آگے بڑھتی ہیں جیسے لال چونٹیاں منہ میں چھوٹے چھوٹے ذرے دبائے بل کی جانب دوڑ رہی ہوں سڑک روز بروز لمبی ہوتی جا رہی ہے شروع میں اس کی لمبائی اتنی نمایاں نہیں تھی۔ مگر اب وہ چالیس میل کا فاصلہ طے کر چکی ہے اور محسوس ہو رہا ہے کہ وہ آگے ہی کو بھاگ رہی ہے۔ چالیس میل کی اس سڑک پر جو ابھی ادھوری ہی ہے موٹریں، سائکلیں اور گاریاں چلنے لگی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا قافلہ تیز گام ہو گیا ہے اور سڑک کے ساتھ ہر چیز آگے بڑھتی جا رہی ہے، تہذیب، آبادی، روشنی اور نہ جانے کیا کیا ہو سکتا ہے کہ سڑک کا اگلا سرا تہذیب کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسے کھینچ کر کہیں لے جا رہی ہو، اس وقت حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مزدور اتنی گرمی میں کیونکر اس قدر حوصلے سے کام کر رہے ہیں ۱۵ رمئی کی دہکتی ہوئی دھوپ نے ان کے ہاتھ پیروں میں طاقت کی بجلیاں دوڑا دی ہیں۔ ابھی ابھی موٹر کا ہارن بجا ہے اور سر سے اوپر اٹھے ہوئے پھاؤڑے پوری بلندی پر پہونچنے سے پہلے ہی نیچے آ گئے ہیں۔ جیسے چاند کی سمت جاتے ہوئے راکٹ میں انرجی ختم ہو گئی ہو اور وہ زمین کی طرف لوٹ پڑا ہو سڑک پر ایک جیپ مچھلی کی مانند تیرتی ہوئی مدد کے قریب آ ئی ہے۔ غبار کا ایک بگولا دھرتی سے آکاش کی طرف ناچتا دکھائی دے رہا ہے جیپ رک گئی ہے اور اس سے ایک دم تین آدمی اتر پڑے ہیں۔

دھرتی کھول رہی ہے — ایک سردار جی اپنی پگڑی کو ٹھیک کرتے ہوئے کہ رہے ہیں۔ ٹھیک بارہ بجے ہیں ہرنام سنگھ۔

تم نے بارہ بجے والی بات کا مخول بنا رکھا ہے تو اس دھوپ میں چار گز بھی میرے ساتھ نہیں چل سکتا علی مرزا۔ اتنی لمبی سڑک بنانا تخت طاؤس بنانے سے زیادہ مشکل ہے۔ سردار جی نے ہرے رنگ کا چشمہ اتار کر صاف کرنے کے بعد آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا ہے معلوم نہیں ہو سکا کہ تیوری سے شعلے لپکے یا آنکھیں حسب معمول مسکراتی رہیں۔

دس گز نہیں مجھے ابھی ایک ساٹھ میل تیرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔ ہرنام سنگھ! علی مرزا ہنس کر اس انداز سے کہہ رہا ہے جیسے وہ اس کے ساتھ کمپنی کی کسی بہت بڑی چھاونی پر حملہ کرنے والا ہے۔ وہ ہرنام سنگھ کی شرکت میں سڑک بنا رہا ہے۔ انھوں نے ایک دوسرے کے اثر اور دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے باہمی طور پر سمجھوتہ کر لیا ہے ان دونوں کے باپ ایک ساتھ ملٹری میں رہ چکے تھے ہرنام سنگھ عمر میں بڑا ہے اور علی مرزا ناتجربہ کار نوجوان ہے اس کے باپ نے ہرنام سنگھ سے صاف کہدیا ہے کہ میرا بیٹا مغل ہے اور جو حسن اور آرٹ کا پرستار ہوتا ہے۔ وہ صرف لٹانا جانتا ہے کمانا تم اسے سکھاؤ۔ اور کمانے کا یہ سمجھوتہ دس بیس نہیں سو میل لمبا تھا جس میں سے ابھی چالیس میل ہی پورے ہوئے تھے — جیپ ایک جگہ کھڑی ہو چکی ہے کولتار کی سڑک چولہے پر رکھے ہوئے توے کی مانند گرم ہے۔ اس سے بھاپ سی اٹھتی محسوس ہو رہی ہے جیسے گٹی کے نیچے دبے بولڈر کوئلہ کی طرح سلگنے لگے ہوں۔ ایک پہاڑی پر پتھروں سے بنے دس بیس عارضی مکان دکھائی دے رہے ہیں ان سے کچھ فاصلے پر بہت سی جھونپڑیاں ہیں ایک طرف گٹی توڑنے کی مشینیں دھڑ دھڑ آ رہی ہیں وہ اس طرح پتھروں کو منہ میں دبا کر پیس ڈالتی ہیں جیسے کوئی مزدور چنے چبا رہا ہو۔ پتھروں کے باریک ریزے ریت کی طرح ہواؤں میں اڑ رہے ہیں اور گٹی کے ڈھیر بڑے قاعدے سے سڑک کے کنارے کنارے — لگے ہوئے ہیں بہت سے مزدور خالی اور بھری ہوئی ڈلیاں سروں پر رکھے آس پاس رینگ رہے ہیں بہت سے بولڈروں کے اوپر گٹی بچھانے میں مصروف ہیں ایک موڑ پر اسٹیم رولر چھک چھک کرتا گٹی پر دوڑ رہا ہے قریب ہی کولتار کے ڈرم آگ پر رکھے سنسنا رہے ہیں۔ ہواؤں میں کولتار کی بو بسی ہوئی ہے۔ انجن جس ٹکڑے کی دبائی کر چکا ہے اس پر باریک گٹی ڈالی جا

جا رہی ہے اور تارکول چھڑکا جا رہا ہے ۔ ہرنام سنگھ اور علی مرزا اپنے ایک اور ساتھی ادم پرکاش کے ساتھ وہاں آکر کھڑے ہو گئے جہاں ڈھاک کے پیڑ کی جڑ میں بڑی سی ڈلیا کے نیچے دو کالے کلوٹے مگر تندرست بچے لوٹ رہے ہیں ڈلیا دھوپ نہیں روک سکتی ۔ پیڑ بالکل ننگا ہے ۔ لیکن بچوں کی ماؤں کو اطمینان ہے کہ انھوں نے اپنے چیتھڑوں پر سایہ کر دیا ہے ۔ وہ یہی کر سکتی تھیں ۔ ٹینٹ یا چھولداری لگانا ان کے بس کی بات نہیں ۔ اوم پرکاش تنگ پائنچوں کی پینٹ پر شوخ رنگ کی بش شرٹ پہنے ہوئے بالکل تنا کھڑا ہے ۔ اس کے جسم میں کوئی جھول نہیں وہ [illegible] لگی ہوئی عورتوں کے جھلسے ہوئے چہروں پر دھنک کے رنگ ڈھونڈ رہا ہے وہ گلاب اور شفق کی سرخی کا تجسس کر رہا ہے ۔ اسے صرف ان مزدوروں سے دلچسپی ہے جو حسین بھی ہوں اور جوان بھی ، اس کا نقطۂ نظر ہرنام سنگھ اور علی مرزا سے قطعی مختلف ہے ۔ یہ دونوں مزدوروں اور انکی عورتوں سے محض اس لئے ہمدردی رکھتے ہیں کہ ان کا پسینہ نوٹوں کے مان سون میں بدل کر جیب میں آ جاتا ہے ۔ وہ چاہیں تو اس روپے سے اپنے سماج کی ہر کھوپیڑا کا سودا کر سکتے ہیں ۔ اوم پرکاش دل ہی دل میں مزدوروں کو برا بھلا کہہ رہا ہے اسے پڑاؤ حسن اور جوانی سے خالی نظر آ رہا ہے جیسے جنگل سایہ دار درختوں سے ۔ اس نے بینٹ رومال سے جھاڑتے ہوئے کہا ہے ۔

" بڑی دھول ہے یار ، میری تو یہاں ٹھہرنے کی ہمت نہیں ہوتی ۔"

" پھر جیپ میں جا بیٹھ ۔"

" گرمی وہاں بھی ہے ! "

" آیا ہی کیوں تھا ۔"

" جس مطلب سے آیا تھا وہ پورا نہیں ہوا ۔ تم لوگ ایسی عورتوں کو کام پر لگاتے ہو جن کو دیکھنے سے متلی ہوتی ہے ۔"

" تیرے لئے ٹیڈی گرلز کی فوج کہاں سے بھرتی کروں ۔۔۔۔ تجھے ہر قدم پر شیریں ، لیلیٰ اور ہیر چاہیئے ۔"

" پھر سڑکیں مت بناؤ کوئی عمدہ سا مینا بازار بناؤ ۔"

جہاں تو جہانگیر بن کر آئے ؟

ایک دم موٹر کے ہارن کی آواز کانوں میں آئی ہرنام سنگھ نے دوربین سے دیکھا ۔

" کس کی موٹر ہے " اوم پرکاش نے پوچھا ۔

" انجینئر کی ہوگی " علی مرزا بولا ۔

" کوئی اور ہے " ہرنام سنگھ نے دوربین کو کوٹ کی جیب میں رکھ لی ۔

مزدور ڈلیاں اور پھاؤڑے پھینک کر ٹھیکیداروں کے پاس آ گئے ہیں ۔ انھیں امید تھی کہ جیٹھا ضرور مل جائے گا ۔ ورنہ پیشگی مل جائے گی ۔

انجن بھی رکا کھڑا ہے ۔ ڈرائیور خاکی وردی پر تیل کے دھبے لگائے ادھر ہی کو آ رہا ہے ۔ جیسے سڑک چلتے چلتے رک گئی ہو ۔ دس بارہ مزدور جن کے سیاہ بالوں میں دھول کے ذرات یوں چمک رہے ہیں جیسے رات کی تاریکی میں ستارے جگمگایا کرتے ہیں ۔ خالی ڈلیاں انگلیوں میں تھامے ٹھیکیدار سے باتیں کر رہے ہیں ۔

بابو پیسہ چاہیئے !

پیسہ ! ۔۔۔۔ ہرنام سنگھ چونک اٹھا ۔ اسکی پیشانی شکن آلود ہو گئی ہے جیسے مزدور نے گالی بک دی ہو ۔

پیر کو پیسہ بانٹ کر گیا ہوں آج سنیچر ہے ہفتہ بھی پورا نہیں ہوا ۔

آٹا نہیں رہا ۔ آدھا جیٹھا بانٹنا تھا بابو ۔

بال بچے بھوکے مر جائیں گے ان داتا ! ۔۔۔۔ دوکاندار بیڑی کا بنڈل بھی ادھار نہیں دیتا ۔

میں نہیں جانتا ۔

بات ہرنام سنگھ کر رہا تھا ۔ لین دین کا تعلق اسی سے تھا ۔ اسی وقت کالے رنگ کی ایک موٹر سڑک پر رکی ۔ اسی کی پوری باڈی دھول میں اٹی ہوئی ہے ۔ کھڑکی کھلی اور ایک نازک اندام آدمی نیچے اترا ۔ اس نے پکار کر کہا ۔

" مرزا صاحب آداب !

علی مرزا اسے دیکھ کر حیران ہوا اور موٹر کی سمت بڑھا ۔

منیر تم کہاں !

مشاعرے سے لوٹ رہا ہوں ۔ سڑک خوب بنائی ہے تم نے مرزا ہم بڑے غور سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں ۔

ابھی تو ساٹھ میل کے قریب باقی ہے ۔

وہ بھی بن جائیگی ! ۔۔۔۔ منیر نے بات ختم کر کے عجیب انداز سے مزدوروں کو دیکھا جو بڑے اطمینان سے دھوپ میں کھڑے ہیں ۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار نہیں ہیں ۔ وہ سڑک کی لمبائی کو علی مرزا کی طرح پچاس میل نہیں بلکہ پچاس قدم سمجھ رہے ہیں ۔ منیر نے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

ہمارے زمانے کے فرہاد یہ ہیں ۔ انھیں کے لئے میں شعر کہتا ہوں

ہرنام سنگھ نے گھور کر علی مرزا کو دیکھا جیسے وہ منیر کو بارود کے قریب پڑی چنگاری سمجھ رہا ہو اور جلد سے جلد بجھا دینا چاہتا ہو ۔

" یہ مشاعرہ نہیں مرزا " ، ہرنام سنگھ نے ذرا تلخی سے کہا ۔

مشاعرہ ہر جگہ ہے سردار جی ۔ جہاں زندگی ہے اور جہاں زندگی کے یہ معمار ہوں اور آپ ان کے ان داتا ہوں ۔ وہیں مشاعرہ ہے ۔

اس آفت کو یہاں سے ٹال مرزے ۔

ہرنام سنگھ نے آہستہ سے مرزا کو مخاطب کر کے کہا ۔

پانی پیو گے منیر ؟ علی مرزا نے جلدی سے بات کاٹی ۔

" کہاں ملے گا ؟ "

" میرے پاس ہے کپی ہے " ۔

کپی کا پانی کس کس کو پلاؤ گے مرزا ۔ ابھی کئی بچوں کو پیڑ کے نیچے روتا چھوڑ آیا ہوں ۔ وہ پانی مانگ رہے تھے ۔ مزدوروں کے کیمپ میں بھوک ہر جگہ مل جاتی ہے ۔ تمہارے یہاں پیاس بھی ہے ۔ ایک عورت نے بتایا کہ پانی دو میل دور ہے ۔ جہاں سے شام کو عورتیں بھر کر لاتی ہیں ۔ دن بھر کام کرتی ہیں ۔ کبھی جلد ہی پانی ختم ہو جاتا ہے ۔ پیاس ہی لگتی رہتی ہے اس گرمی میں تم کوئی بندوبست کیوں نہیں کرتے پانی کا ۔ ایک گاڑی صرف پانی لانے کے لئے ہونی چاہیئے مرزا صاحب ۔ ٹھیکیداران داتا نہ جانے کب سے تھا اب اسے اندر دلوتا بھی بن جانا چاہیئے ۔

زیادہ باتیں مت کرو پانی پیو !

اس پانی سے صرف میرا ہی حلق تر ہو سکے گا ۔ پلانا ہے تو سب کو پلاؤ ورنہ مجھے پیاسا ہی چلا جانے دو ۔ آدھا گھنٹہ بعد ہم اسی جگہ پہنچ جائیں گے جہاں پانی ہی پانی ہوگا ۔ اس نے موٹر میں بیٹھ کر کھڑکی بند کر لی ۔ موٹر چلی تو منیر ہاتھ نچا کر بولا ۔

چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

بیوقوف ! ۔۔۔۔ سردار ہرنام سنگھ دانت پیستے ہوئے بولا ۔ سماج شاعری سے نہیں سڑکوں سے بنتا ہے ۔ پوئیٹری سے ترقی ممکن نہیں ہے

کو پانی پلانا ہے تو سڑکیں اور پل بناؤ۔ کام چور کہیں کے۔ ہاتھ پاؤں ہلاتے نہیں اور زمانے بھر کو ساتھ لے کر چلنے کا نعرہ لگاتے ہیں۔ بیچ میں سو آدمی پیدل چلتے ہوں گے۔ کس کس سے کہا ہوگا اس نے اپنے ساتھ موٹر میں بیٹھنے کو۔! سب کہنے کی باتیں ہیں کوئی کسی کو ساتھ لے کر نہیں چلتا۔ اسی طرح لوگوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے شاعر بھی آگے چلا جاتا ہے اور ادیب بھی [illegible] نعرے بانا

چل مکندا ادھی نکال اور ٹینک میں پانی ڈال۔

ایک مزدور اپنا نام سن کر دوڑا اور ادھی میں بھرا ہوا پانی ٹینک میں الٹ دیا۔ ہرنام سنگھ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا، اس کے پاؤں کمانیوں پر ہیں اور ہاتھ اسٹیرنگ پر جمے ہوئے ہیں۔

انھیں پیسے کیوں نہیں دیتے! اوم پرکاش نے ہرنام سنگھ کے کہنی مارتے ہوئے کہا۔

چپ رہو سالے بے ایمان ہیں۔ پورے پیسے ہم کبھی نہیں دیتے ایسا نہ کریں تو ان میں سے ایک بھی یہاں دکھائی نہیں دیتا۔

جو نکلتا ہے وہ دینا ہی چاہیئے۔ کھائیں گے کہاں سے؟

کھانے کو ان کے پاس بہت ہے۔ ہم نے راشن کی دوکان کھول دی ہے جانتے ہو ایک مد پر کئی ہزار خرچ ہو جاتے ہیں۔ اور موقع پاتے ہی مد و اسطرح بھاگ جاتی ہے جیسے ٹڈی دل کھیت چاٹ کر اڑ جاتا ہے۔ ان لوگوں پر ڈیڑھ ہزار باقی ہے۔ ہر ہفتہ آدھے پیسے پیشگی میں کاٹ لئے جاتے ہیں اور کم کاٹا کر دیکھتے نہیں ان کے بچے ننگے ہیں۔ عورتوں کے کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہیں۔

ان کو کپڑے تو بنا دے۔ بڑا عاشق مزاج ہے تو۔!

اوم پرکاش چپ ہو گیا۔ اس کے دل میں محبت کا دریا چپکے ہی چپکے امنڈتا رہا۔ جیپ فراٹے بھرنے لگی۔ ذرا دیر بعد اوم پرکاش نے پوچھا۔

کون سا شعر پڑھا تھا مرزے۔ تمہارے شاعر دوست نے۔

غالب کا ایک مصرعہ تھا شعر نہیں تھا۔

کیا مطلب تھا اس کا۔؟

یہی کہ فرہاد جو شیریں کے عشق میں پہاڑ کھود کر جوئے شیر کاٹ لایا تھا اور جس کی شہرت اب تک ہے۔ وہ ان مزدوروں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ دھوپ کی اس حدت میں لمبی لمبی سڑکیں بناتے ہیں جن سے تہذیب میں ترقی ہوتی ہے۔

ٹھیک کہہ رہا تھا وہ۔ مگر یہ جوئے شیر کیا ہوتی ہے۔؟

دودھ کی نہر!۔ شاعروں نے یونہی افسانے بنا رکھے ہیں پرکاش فرہاد دودھ کی نہر کہاں سے لاتا ممکن ہے اس نے دو چار میل لمبی کوئی سڑک بنائی ہو بادشاہ کی تفریح کے لئے۔

ہاں ہاں۔ ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا اور بادشاہ بہت سی عورتوں کو ساتھ لے کر گھوڑا گاڑی میں شکار کھیلنے گیا ہوگا اور ان مزدوروں نے جو سڑک بنائی ہے اس پر سے ہزاروں ٹرک عوام کے کھانے پینے کی چیزیں اور دوائیں لے کر گزرا کرینگے یہ سڑک سچ مچ کی جوئے شیر ہے اور یہ مزدور فرہاد ہیں ہمارے سماج کے!۔ پھر پورے پیسے کیوں نہیں دیتے تم۔

یہ مت پوچھو پرکاش۔ مرزا ہنس کر بولا۔ ہرنام اپنے زمانے کا فرد ہے وہ شیریں کو اپنے محل میں رکھے گا اور ان فرہادوں کا خون چوستا رہے گا۔

ہرنام سنگھ چڑ گیا۔ اس نے دوربین جیب سے نکال کر جیپ [illegible] اور جنگل میں ادھر ادھر کچھ دیکھنے لگا۔ ممکن ہے وہ آنے والے وقت کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو جب یہ فرہاد اس کے محل کو بھی سڑک میں تبدیل کر دیں گے ✽

تاج سعید

غزل

ہمیں سے رونق زنداں ہمیں سے عزت دار
ہمیں سے پھول کی رنگت، ہمیں سے رقصِ بہار

ہر اک اندھیرے اجالے سے بے نیاز ہیں ہم
ہمیں زمیں کے گل تر سے نوک خار سے پیار

دل و نظر پہ کئی بار بجلیاں برسیں
رکا نہیں ہے کبھی کاروان فصل بہار

یہ پہلی رت بھی چمن پر نکھار لائے گی
کہ ہے خزاں سے امید طلوع صبح بہار

ملی ہے غم کے اندھیروں میں روشنی ہم کو
جو دیکھ پائے ہیں اس گل بدن کے رخ کا نکھار

وہ شوخ پاس نہیں ہے تو کوئی بات نہیں
قرار جاں نہ سہی ہے دل و نظر کا قرار

ریڈیو آئسوٹاپ

ترقی کی نئی منزل

محمد ریاض صدیقی

جوہری توانائی ATOMIC ENERGY۔ اور اس سے حاصل کی گئی قوتوں سے موجودہ دور نے جو کام لئے ہیں۔ ایک حیرت انگیز کارنامے سے کم نہیں ہے۔ ایک ایسی قوت جو انسانی حد نظر سے باہر ہے۔ جوہر اپنی انفرادی شکل میں ایک باریک ترین اکائی ہے۔

اور اس کے اندرونی حصے اس سے بھی زیادہ باریک تر ہیں۔ جوہری زندگی کے سارے کرشمے صرف اپنے اثرات کی بنیاد پر محسوس کئے جاتے ہیں۔ چشم بینا، ان کا محاصرہ کرنے سے قاصر ہے۔

ہر مادہ لاتعداد جوہروں کی آمیزش کی ایک شکل ہے اور مادے کے اجتماعی شکل میں یہی جوہر بالکل بے اثر ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ تنہا ہوتے ہیں تو ان کی قوت جو ان کے اندرونی حصوں میں پوشیدہ ہے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اگر اس قوت کو خارج کر دیا جائے تو یہ ہولناک تباہی بھی لا سکتے ہیں۔ اور ایسے تعمیری کام بھی انجام دے سکتے ہیں جو انسان کی عقل سے بھی بعید ہیں۔ توانائی کا یہ عظیم ذخیرہ جب خارج ہوتا ہے تو اسکی رفتار روشنی کی رفتار کی مانند ہوتی ہے۔ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ۱۸۶،۰۰۰ میل ہے۔

بین الاقوامی سطح پر جوہری توانائی کا استعمال شروع ہو چکا ہے۔ چونکہ اس وقت سے چند ترقی یافتہ دولت مند ملکوں نے مہلک جنگی ساز و سامان تیار کر لئے ہیں۔ اس لئے یہ قوت ایک معاشرتی اور سیاسی مسئلہ بن چکی ہے ہر ملک جوہری توانائی کی تخلیق کی جانب مائل ہے تاکہ ترقی یافتہ ممالک کے چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔ جوہری توانائی کی رفتار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنے والے چند سالوں میں دنیا کی ساری مشینی اور زرعی زندگی اس طاقت کی گرفت میں ہوگی۔ پاکستان بھی جوہری توانائی کے دائرے عمل میں داخل ہو چکا ہے۔

جوہر کی شکل کا مطالعہ کر لینے کے بعد جوہری توانائی کے عمل اخراج REALEASE OF ATOMIC ENERGY کا سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں رہا ہے اور چونکہ اس مسئلہ سے بنی نوع انسان سے متعلق ہے اس لئے عوام کو یہ سمجھنا ہی ہوگا۔ گذشتہ جولائی کے شمارے میں جوہر کی شکل اور تابکاری پر تفصیلات شائع ہو چکی ہیں۔

جوہری توانائی اور انسان

جوہری توانائی کے ایک ہی وقت میں دو پہلو ہیں۔ یہ قوت ایک طرف تو ہلاکت اور تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ دوسری طرف یہ انسانوں کو پیغام زندگی دیتی ہے۔ یہ توانائی بنجر علاقوں پر سرسبز و شاداب کھیتیاں جنم دے سکتی ہے۔ بیجوں پر اس کے اثرات بڑے مفید ثابت ہو چکے ہیں اور اس طرح فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ممکن ہے۔ مہلک بیماریوں کو فنا کیا جا سکتا ہے نباتات اور فصلوں کو خطرناک بیماریوں اور وباؤں سے بچایا جا سکتا ہے۔ اور بہت سی پیچیدہ انسانی امراض کی دوائیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس توانائی کا سب سے روشن پہلو ان کی رفتار ہے۔ بہت ہی کم وقت میں اس توانائی کا اثر منظر عام پر آجاتا ہے۔

اس عظیم ثبوت کا انکشاف تابکار مادوں کا رہون منت ہے جو قدرتی صورت میں زمین سے حاصل کئے گئے۔ جوہر کی شکل اور اسکی اندرونی ساخت پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی لیکن جوہر میں پوشیدہ یہ توانائی کے ذخیرے ایک عرصے تک سائنس دانوں کی نظر سے اوجھل رہے۔ اور یہی نظریہ قائم رہا توانائی کے ان مراکز کو علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ پھر بھی کچھ ذہن بے قرار رہے اور ایک جستجو جاری رہی یہاں تک کہ امید کا سورج ایک دن طلوع ہوا۔ زمین کے سینے پر ایک چمکتی ہوئی دھات ملی جو چمک کے ساتھ حرارت کی لہریں بھی پیدا کر رہی تھی۔ پھر دیکھا گیا کہ، چمکتا ہوا یہ مادہ۔ بڑی تیزی سے نئے مادوں میں بدلتا جا رہا ہے یہاں تک کہ یہ، سیسے کی دھات میں تبدیل ہو گیا۔ یہ مادہ ریڈیم تھا۔ جس نے سائنس کی دنیا میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ تحقیق کا کام شروع ہو گیا اور وہ راز جو اب تک نامعلوم تھا آخر کار ایک نئی حقیقت کے روپ میں معلوم ہو گیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ، اس قسم کے چند مادے زمین میں موجود ہیں۔ یہ ایسے مادے ہیں جن کے جوہر الگ ہو ہو کر اپنے حصے تک علیحدہ کر کے شعاعوں کی صورت میں خود بخود خارج ہوتے رہتے ہیں اور یہ عمل مسلسل اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک یہ مادے کوئی مستقل مادی صورت اختیار نہ کر لیں۔ ایسے مادوں کو تابکار یا RADIO ACTIVE مادہ کہا جاتا ہے۔ تابکار مادوں کے اس قدرتی عمل کی معیاد بہت مختصر ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بننے والے آخری مادے بھی تابکاری خصوصیات رکھتے ہیں اور انکی قوت اخراج بہت آہستہ اور دیرپا ہوتی ہے۔ اسی دریافت کے ساتھ ہی جوہر کے تمام پرانے نظریات بدل گئے۔ اور یہ خیال یکسر غلط ہو گیا کہ جوہر کے مختلف حصوں کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب قدرتی طور سے جوہری حصے ٹوٹ ٹوٹ کر فضا میں علیحدہ ہو جاتے ہیں تو ہر جوہر کو اس کے حصوں میں تقسیم کر دینا ممکن ہے۔

اس امکان کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے نئی تحقیقات شروع ہوئیں۔ اور اس سلسلے میں یہ خیال کیا گیا کہ کسی طرح اگر کسی مادے کے جوہر کے نقطے میں ایک نارق مثبت PROTONE کا ذرہ داخل کر دیا جائے یا اسی مادے کے جوہری نقطے سے اسی کا ایک غیر برقی ذرہ NEUTRONE علیحدہ کر لیا جائے تو ایک مادے سے دوسرا مادہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ پہلے ایسے آلات تیار کئے گئے جس سے یہ کام لیا جا سکے۔ یہ تجربہ کامیاب ہوا اور اس کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ کسی غیر تابکار مادے کے جوہری نقطے میں نئے ذرات داخل کرنے یا اسی کے ذرے نکالنے کے عمل سے دوسرے لاتعداد ایسے مادے بن جاتے ہیں جو گو کہ قدرتی طور پر غیر تابکار ہیں لیکن اس تبدیلی کے بعد تابکار مادوں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ غیر تابکار مادوں کو نئے تابکار مادوں تک لانے کے لئے قدرتی تابکار مادوں ہی سے کام لیا گیا۔ اگر کسی غیر تابکار مادے کو اس عمل سے تابکار مادہ بنایا جاتا ہے

تو نیا تابکار مادہ اپنی تمام گذشتہ خصوصیات برقرار رکھتا ہے۔ صرف اس کے جوہری وزن میں معمولی سا فرق ہو جاتا ہے اور اپنی پوشیدہ توانائی کے اخراج کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ ایسے تابکار مادے جو اپنے اصل غیر تابکار مادوں خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ اپنا جوہری وزن بدل کر توانائی خارج کرنے لگتے ہیں ریڈیو آئسوٹاپ RADIO ISOTOP کہلاتے ہیں۔

جس غیر تابکار مادے کو تابکار بنانا ہوتا ہے اس کے جوہروں کو مخصوص آلے میں الگ الگ کر دیا جاتا ہے اور ان پر قدرتی تابکار مادوں کے جوہر کو اس طرح پھینکتے ہیں کہ وہ اصل مادے کے جوہر کے نقطے NEUELEUS میں داخل ہو جائیں۔ یا نقطے کے اپنے غیر برقی ذروں کو باہر نکال دیں اس عمل کے لئے زبردست قوت اور تقریباً دس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے تابکار جوہروں کو ایک نشانہ بنا کر پھینکتے ہیں اس عمل کی تکمیل کے بعد اصل مادہ ایک نئے تابکار مادے میں بدل جاتا ہے۔ جسے اس مادے کا RADIO ISOTOP کہتے ہیں۔

مصنوعی ذرائع سے بنائے ہوئے نئے تابکار مادوں کی مقدار قوت و توانائی ہر مادے کے لئے علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے اور ایک مخصوص تابکار مادہ کسی مخصوص مقصد ہی کے لئے ہی مفید ہوتا ہے۔ یہ تابکار مادے آزادی سے رکھے نہیں جا سکتے اس لئے کہ ان کے اثرات بڑے مہلک اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ ان مادوں کی حفاظت ہے۔ اگر ان مادوں کو فضا میں نکلنے کا موقع مل جائے تو یہ فضائی اور مادی ہر شکل کے جوہروں کو بڑی تیز رفتاری سے متاثر کرتے ہیں اور سلسلہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ سارا نظام درہم برہم ہونے لگتا ہے۔

یورینیم ان قدرتی تابکار مادوں میں سے ایک ہے جو انسانیت کی تباہی کا سبب بنی۔ یورنیم کی توانائی قوت بڑی زبردست ہے۔ اس سے پیدا ہونے والی گرمی کی مقدار بھی اس مقدار سے کئی گنا زیادہ ہے جتنی مقدار حرارت زندگی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ فضا میں آتے ہی یورنیم کے تمام جوہر اپنی تباہ کن خصوصیات کے ساتھ ٹوٹ کر ساری مادی دنیا کے جوہروں کو اکھاڑ کر توڑنے لگتے ہیں۔ اس عمل میں بہت کم وقت لگتا ہے اور سارا نظام کائنات ایک دھماکے کے ساتھ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

امریکہ نے دوسری جنگ عظیم کے بعد جوہری توانائی سے جنگی اسلحہ جات اور خطرناک بم بنا کر ساری دنیا کو ایک نئی کشمکش میں مبتلا کر دیا مجبوراً بعض دوسرے ممالک کو اپنے دفاع کی خاطر ایٹمی ہتھیار بنانے پڑے اور اس طرح دنیا میں جنگی صنعت کا ایک نیا میدان کھل گیا۔ وہی توانائی جو انسانی ترقی کے ایک نئے خوش آئند مستقبل کا اعلان کر رہی تھی موت کا سایہ بن کر دنیا پر منڈلا رہی ہے اور اس جوہری توانائی کو زندگی بخشنے کے لئے غیر ترقی پذیر ممالک کے وسائل حاصل کئے جا رہے ہیں۔ افریقہ کے اکثر ممالک یورنیم کے ذخائر سے مالا مال ہیں لیکن ان کے وہ ذرائع اور حالات کہ وہ اس عظیم دولت کو خود استعمال کر سکیں۔ اقتصادی حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر یہ ممالک اپنے یورنیم کو بھاری قیمت کے بدلے میں امریکہ کے ہاتھوں فروخت کر رہے ہیں اور یورنیم کے ان ذخائر پر امریکہ کی اجارہ داری ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں ایٹم برائے انسانیت کے نظریہ کو بڑی چوٹ لگی ہے۔ ایک طرف تو ایسے لاتعداد تابکار مادے بنائے گئے جو صنعتی، زرعی معاشرتی اور طبی میدانوں میں زندگی کی نئی چمک پیدا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جنگی صنعت اس توانائی پر قبضہ جما رہی ہے۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے تابکار مادے جو انسانیت کی فلاح کا ذریعہ ہیں انکی تجارتی حیثیت ابھی تک متعین نہیں ہو سکی۔ اور نہ ہی نوع انسان کی امیدیں پوری نہ ہو سکیں۔

مرتضیٰ برلاس

غزل

وقت کی تیز تپتی ہوئی ریت پر پڑ گئے پاؤں میں آبلے دوستو
سانس اکھڑ اگیا جسم ٹوٹا گیا، ہم نہ ہارے مگر حوصلے دوستو

رنگ و بو کی کشش ہے فریبِ نظر، اپنا دست رسا دیکھنا چاہیئے
ہاتھ جلتے ہوں جب پھول کی آنچ سے ایسے پھولوں سے کانٹے بھلے دوستو

میری ناکامیوں کی دبی آگ سے جانے کس کس کے دامن جھلس جائینگے
بات چھیڑی تو پھر بات بڑھ جائے گی یہ بھی سوچا کبھی منچلے دوستو

جو حقائق پرستی کی خاطر جیئے، انکی حالت زبوں سے زبوں تر ہوئی
جو حقائق کو ٹھوکر لگا کر چلے، وہ ہی دنیا میں پھولے پھلے دوستو

شوقِ صحرا نوردی تو دیکھو ذرا، جسکو دیدار منزل گوارا نہیں
جتنی تیزی سے ہم سوئے منزل بڑھے، اور بڑھتے گئے فاصلے دوستو

علی احمد طاہری

اندھیرے اُجالے

علی احمد شاہدی

رات اور سیاہ ہو گئی۔ کوٹھی کے سبز لان میں بڑے بڑے سبز بتی لیمپ کے سائے تلے بیٹھے ہوئے جھلملاتے دمکتے لباسوں والی بیگمات اور قہقہے لگاتے ہوئے صاحبوں کی محفل برہم ہو گئی۔ لان خالی ہو گیا کرسیاں اور گول میز لان سے بیروں اور خانساماؤں نے اٹھالیں۔ برآمدے اور برساتی کے سبز قمقمے گل کر دیئے گئے۔

سیٹھ ستار لان سے اٹھے اور بیڈ روم کا رخ کیا۔ بیگم بھی بے بی کو گود میں لئے ہوئے حاضر ہو گئیں بے بی کو خلاف معمول انکی گود میں دیکھ کر سیٹھ ستار نے پوچھا۔

"آج آیا نہیں آئی کیا۔؟"

"آئی تھی چھٹی لے کر چلی گئی —— بیمار تھی۔" بیگم بولیں

"تو پھر تمہارے پاس سوئے گی یہ۔"

"اور کیا۔!"

سونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن بے بی مسہری پر پڑی چھت میں لگی ہوئی ٹیوب لائٹ کو دیکھ دیکھ کر مسرت سے اچھل رہی تھی۔ خوش ہو ہو کر چیختی اور ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

سیٹھ صاحب لیٹ گئے۔ نیند انکی آنکھوں میں شراب کا خمار بن کر چھا گئی۔ میٹھی زندگی کی میٹھی نیند۔ کوئی گھنٹہ بھر سوئے ہوں گے۔ کہ قریب ہی کسی بچے کے زار و قطار رونے کی آوازوں سے نیند کھل گئی۔ بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ چیخیں بلند ہو کر رات کی تاریکی میں گھل رہی تھیں سیٹھ ستار کروٹ بدل بدل کر نیند کو بہلانے کی کوشش کرتے رہے لیکن بے سود۔ بچے کی چیخیں تیر کی طرح کانوں کو لگتی تھیں۔ سیٹھ ستار پھر کر اٹھ بیٹھے۔ ٹیوب لائٹ جلائی اور کھڑکی کھول کر آواز دی ——

"رحمت!"

رحمت جو برآمدے میں سوتا تھا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"جی سرکار!"

"یہ کون بچہ رو رہا ہے۔ اتنی رات گئے؟" سیٹھ ستار نے چلا کر پوچھا۔

"مالی کی بچی ہے سرکار۔" رحمت ڈر سا گیا۔

"کون مالی؟"

"ہمارا اپنا مالی سرکار!"

"بلاؤ اسے۔"

رحمت دوڑا ہوا گیا۔ مالی حکم سنتے ہی ہانپتا کانپتا ڈرتا گھبراتا چلا آیا میلی سی پھٹی سی چادر اوڑھے۔ پریشان اور غم کی تصویر بنا۔

"حکم حضور!" اسکی زبان کانپی جیسے چلتی ہواؤں میں چراغ کی لو۔

"تو چاہتا ہے کہ ہم تیرے لئے اپنی ساری رات کی نیند حرام کر دیں۔"

"میں سمجھا نہیں سرکار۔" لو جھونکوں کی حیرتناک تندی اور خوف سے لرز اٹھی۔

"یہ تیری منحوس بچی جو آدھی رات کو چیخ چیخ کر کوٹھی کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے کیا یہ بھی تجھے سمجھانا پڑے گا۔"

"وہ کل صبح سے بیمار ہے حضور!" لو بجھنے لگی۔ اندھیرے لپک کر قریب آگئے۔

"بیمار ہے تو اسپتال لے جاؤ۔ لیکن رات کو اس کا منہ بند رہا کرے اچھا!!"

اندھیرے کے لمبے لمبے ناگوں نے چراغ کی لو کو نگل لیا۔ حوصلوں کا دل ڈوبنے لگا۔ امیدوں کو پسینے آگئے اور بخت کو اور گہری نیند آگئی۔

سیٹھ نے دریچہ بند کر لیا۔ ٹیوب لائٹ بجھا دی اور بستر پر لیٹ گئے لیکن اب بے بی جاگ چکی تھی۔ بیگم بھی نیند کے ہلکے آب رواں جیسے آنچل کو کوشش کے باوجود ہاتھ سے دے چکی تھی پہلے تو بے بی دائیں طرف سرہانے رکھے ہوئے ٹیبل لیمپ کی ہلکی رنگ برنگی روشنی کے پھولوں سے کھیلتی رہی مسرت سے باغ باغ ہوتی جاتی تھی۔ جیسے بہاریں غنچہ چٹکے۔ جیسے گرما کی رات میں رات کی رانی مہکے۔ کبھی رنگین چھت کو گھورنے لگتی۔ بیگم تنگ آگئیں۔ گل کی پنکھڑیاں اپنے آغوش میں شبنم کے پیارے قطروں کا بوجھ نہ سنبھال سکیں۔

"بڑی بے چین بچی ہے۔ بیگم نے بے بی کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اسے دوسرے کروٹ پر پٹخ دیا —— بے بی کو پٹخنا تھا کہ اس نے رونا شروع کر دیا۔ بیگم نے جھنجھلا کے ایک اور طمانچہ رسید کیا اور وہ بلبلا کر رونے لگی۔ شور سے سیٹھ ستار کی آنکھ بھی کھل گئی۔

"کیا بات ہے بیگم؟"

"بات کیا ہے۔ سوتی نہیں ہے شرارت کئے چلی جا رہی ہے اور اب رو پڑی ہے۔"

گل نے شاخساروں میں جھول کر خاروں سے گلہ کیا —— میں ٹہنیوں میں جھولتا ہوں تو تم میری نازک سی پنکھڑیوں میں چبھتے ہو —— خار طنز سے مسکرا دیئے پہلے اپنے دل کے خار تو ٹٹولو ——

"ذرا گود میں لے کر بہلا لو۔" سیٹھ ستار نے مشورہ دیا۔

بیگم نے اسے لے کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ لیکن بے بی ہلاوے سے

بھی چپ نہ ہوئی بس ایک آواز سے روئے چلی جا رہی ہے آنسوؤں کی لڑیاں پرو رہی ہے۔ بیگم ہلکان ہوگئیں تو سیٹھ ستار اٹھے اور بے بی کو چمکارا۔ لیکن وہ ایک ساں چیختی رہی تڑپتی رہی۔ ٹہل ٹہل کر بیگم کے پاؤں شل ہوگئے۔ سیٹھ ستار نے رحمت کو آواز دی۔ وہ بھاگا ہوا آیا۔ بے بی کو بڑی مستعدی سے ٹہلانے بہلانے میں لگ گیا۔ لیکن اس نے تالو سے زبان نہیں لگائی۔ اسے پھر بیگم نے لے لیا۔ دودھ دینے کی کوشش کی۔ کھلونے بجائے۔ روشنی دکھا کر بہلانا چاہا ـــــــ اس کے آنسو بند نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئی۔ چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں۔ بیگم پریشان ہوگئیں ـــ یا اللہ ـــ رحم ـــ کیا ہوگیا اس ننھی سی جان کو۔"

رات کے دو بجنے کو آئے لیکن بے بی کے آنسوؤں کا تانتا بندھا تھا۔ سیٹھ ستار بے کل، بے چین۔ کبھی باہر جاتے۔ کبھی کمرے میں ٹہلنے لگ جاتے۔ بے خوابی کے باعث سر بوجھل۔ آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ غصہ کی گرم لہریں اٹھتی تھیں۔ لیکن بے بی کی حالت رحم طلب بھی تھی ـــ دھرتی کے ظلمت کدے گہنائے ہوئے چاند کا چہرہ دیکھ کر حیرانگی سے مسکرا اٹھے ظلمت ہمارا مقدر ہی نہیں ہے۔ وقت چاند کے چہرے پر بھی سیاہی مل دیتا ہے

آخر سیٹھ ستار ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ فون اٹھایا۔ خاندانی ڈاکٹر کا رٹا رٹایا فون نمبر ملایا ـــ "کون! ڈاکٹر وحید! ہاں بھئی خدا کے واسطے جلد، فوراً آؤ۔"

فون کر کے وہ باہر آئے۔ بچی کی چیخ، نیند کا غلبہ، اعصاب پر بے آرامی کا تناؤ، ذہن پر مسلسل شور کا بوجھ۔ وہ کچھ سوچ نہ سکتے تھے۔ کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ایسا لگتا جیسے سو رہے ہوں، جیسے جاگ رہے ہوں۔ ایک ملی جلی سی کیفیت ـــ رونے کی گونج اندھیرے میں لپٹے ہوئے سرونٹ کوارٹروں میں سے منعکس ہو کر ان تک پہنچ رہی تھی۔ وہ چونکے۔ کان لگا کر سنا ـــ ارے ہاں۔ یہ تو مالی کی بچی ہے۔ رو رہی ہے۔ اور ایک دردناک خیال ہولے سے ان کے پریشان دماغ میں تیر گیا۔ تو گیا مالی بھی ابھی تک جاگ رہا ہے ـــ وہ محنت مشقت، تھکن، تنگدستی سے چور ـــ اور ـــ اور یہ رت جگا۔ تھکا جسم اور نیند سے محروم ـــ لیکن فوراً ہی اس لطیف خیال کو ایک سخت سے غیر مرئی ہاتھ نے مسل کر رکھ دیا۔ جیسے اس چھوٹے سے خیال نے چپکے سے ایک بڑے دماغ میں دخیل ہو کر گناہ کیا ہو۔ مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنا چاہئیں۔ وہ اندر چلے گئے۔ لیکن مالی کی منی کی چیخیں ان کی سماعت کے چور دروازوں سے گستاخانہ دراتی رہیں۔

ڈاکٹر آ کر چلا گیا۔ بیگم نے اطمینان کا سانس لیا۔ بے بی جو بہت زیادہ رونے کے باعث بے دم ہو گئی تھی تھکی ہاری بیگم کے پاس لیٹ گئی۔ سیٹھ ستار لیٹنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ بیگم نیم دراز لیٹی سوچ رہی تھیں۔ آج کی رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹی ـــ بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

بیگم نے ایک لمبی جمائی لی اور ٹیوب لائٹ گل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہتی تھیں کہ سامنے دروازے پر مٹی کا ایک مجسمہ سا میلی کچیلی چادر لپیٹے مار کھائے ہوئے بچے کی طرح ڈرا سہما رسان سے آ کھڑا ہوا۔

"کون! "بیگم نے دیکھتے ہی پوچھا۔

"مالی! ـــ سرکار۔"

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں بیگم حضور، بے بی کا جی اب کیسا ہے۔؟"

بیگم اٹھ بیٹھیں ـــ "اب تو آرام ہے۔"

"بھلا ہوا سرکار ـــ" مالی بات کرتا ہوا ہولے ہولے اندر آ گیا۔ اور بے بی کے بستر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ بے بی خاموش سفید دودھ جیسے بستر پر لیٹی، ٹکر ٹکر ٹیوب لائٹ کو دیکھ رہی تھی۔ بستر کی سفید براق چادر اور اس کا اجلا پن مالی کی آنکھوں میں یوں کھبنے لگا جیسے کسی حسینہ کی سفید عریاں باہیں کسی کنوارے نوجوان کی آنکھوں میں ـــ مالی بے ساختہ بول اٹھا ـــ

"اوہو ـــ بے بی ـــ اجالے کی چادر میں لیٹی ہے میری بے بی ـــ ہاں۔"

اس نے چٹکی بجائی اور ـــ بے بی مسکرا دی۔ مالی چلا گیا ـــ نشیبوں نے فرازوں کو شرمسار کیا ـــ تمہاری رفعتیں ہمارے دم سے ہیں۔ ہم اہیں ہموار نہ کریں تو راہی تم تک کیسے پہنچیں۔ ہمارا سینہ روند کر ہی کامرانی تمہارے سر پر گجروں کا تاج پہناتی ہے۔

کوئی گھنٹہ بھر گزر گیا۔ سیٹھ سو گئے۔ بیگم کو نیند نہیں آئی۔ ٹیوب لائٹ بجھا دی گئی۔ ٹیبل لیمپ روشن تھا بیڈ روم کی کھڑکی پر جیسے کسی نے دستک دی بیگم نے تھوڑے سے توقف سے کھڑکی کھول دی ـــ شاید رحمت ہو! ـــ کھڑکی کھلتے ہی ٹیبل لیمپ کی ایک ننھی سی شعاع لپک کر دو آنکھوں پر پڑی ـــ آنسوؤں میں ڈولتی ہوئی آنکھیں ـــ

بیگم چونک پڑیں۔ "مالی تم؟"

مالی کے ہونٹ جواب میں کپکپا اٹھے۔

بیگم نے پھر پوچھا۔ "مالی! کیا بات ہے۔"

مالی رو پڑا ـــ "ننھی مر گئی سرکار ـــ مر گئی۔"

آنسوؤں کی ڈھیر سی لڑیاں یکدم کھچڑی داڑھی میں جذب ہوگئیں ـــ مالی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ کر رو دیا۔ اس کے بوجھل قدم اندھیرے میں لپٹے ہوئے کچے کوارٹروں کی طرف بڑھنے لگے۔

رحمت جو مالی کے پیچھے خاموش سر لٹکائے کھڑا تھا۔ اسی طرح اداسی سے کھڑا رہا ـــ اندھیروں نے نشیبوں سے کہا۔ آنسو نہ بہاؤ ـــ ہم تمہارے غم کے ساتھی ہیں ـــ ہم تمہاری محبت کے پیاسے ہیں۔"

بیگم ایک لمحے کے لئے سکتہ کے عالم میں کھڑی رہ گئیں۔ انکی نگاہیں مالی کے کوارٹر کی طرف اٹھ گئیں جہاں اندھیرے کی ناگنیں پھنکار رہی تھیں۔ اور کسی عورت کے بین کرنے کی آواز فضا میں دکھ بکھیر رہی تھی۔ غم لٹا رہی تھی۔ وہ تھوڑی سی دیر کھوئی ہوئی سی کوارٹروں کو دیکھتی رہیں۔ چاند نے اپنے دل کے داغ دیکھے۔

بیگم نے رحمت کو آواز دی۔

رحمت آگیا۔ "جی حضور۔"

"دیکھو وہ جو تیل کا لیمپ بجلی فیل ہونے پر تم کچن میں جلاتے ہو۔ مالی کو دے آؤ۔ اس کے کوارٹر میں شاید بہت اندھیرا ہے۔"

رحمت لیمپ لے کر گیا۔ اندھیری کوٹھڑی کے اندر سے عورت کے بین کرنے کی دردناک صدائیں رات کے سناٹے میں گونج رہی تھیں۔ مالی کوٹھڑی کے دروازے سے لگا اندھیرے کا پیوند بنا شاید آنسوؤں کی لڑیاں پرو رہا تھا۔

رحمت نے اس کے پاس جا کر کہا۔

"یہ لو مالی لیمپ۔ یہ بیگم صاحب نے بھجوایا ہے۔"

مالی کی آواز بھرّائی۔ "لیمپ! کیسا ـــ کاہے کے لئے۔"

"یہ لیمپ ـــ یہ" ـــ مالی پھوٹ کر رو پڑا۔ اسکی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"یہ لیمپ لے کر میں کیا کروں گا ـــ کیا کروں گا رحمت۔" اسکی آواز ایک آنسو بھرا راگ بن گئی۔

ستارے آسمان پر روئے۔ دھرتی کی دھواں دھواں تاریکی اور

باقی صفحہ ۴۲ پر

یوسف عندلیب

آزادی کے نام پر!

"اے آزادی تیرے نام پر کیسے کیسے گناہ کئے جاتے ہیں!"

مادام رولاں

مادام رولاں کو جب فرانس کی جدوجہد آزادی میں حصہ لینے کے الزام میں پھانسی دینے کے لئے لے جایا جارہا تھا۔ تو ایک چوک میں اس نے آزادی کے مجسمے کو دیکھ کر یہ لازوال الفاظ کہے۔

مادام رولاں کے یہ الفاظ آج بھی آزاد دنیا کے تقریباً ہر ملک میں دہرائے جارہے ہیں۔

امریکہ جو آزاد دنیا کا محافظ اور ٹھیکدار بنا پھرتا ہے۔ اس کے اپنے ملک کے کالے باشندے گوروں کے مقابلے میں بنیادی شہری حقوق سے محروم ہیں اور جب وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو انھیں لاٹھیوں گولیوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندا جاتا ہے۔ آئے دن اخبارات میں ان لرزہ خیز مظالم کی تصاویر چھپتی رہتی ہیں کہ امریکی پولیس فورس کے سورما نہتے کالے مردوں اور عورتوں کے پیر پکڑ کر جانوروں کی طرح گھسیٹ رہے ہیں۔ ان پر ڈنڈے برسا رہے ہیں گھوڑوں کے نیچے کچل رہے ہیں اور گولیوں سے بھون رہے ہیں۔ ان کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ بنیادی انسانی حقوق چاہتے ہیں۔

امریکہ میں کو کلس کلاں نام کی ایک ذلیل جماعت ہے۔ جس کی، سربراہی وہاں کے بڑے بڑے پادری کرتے ہیں۔ اس جماعت کے مقدس فرائض یہ ہیں، کالوں پر منظم حملے کرنا۔ انکی آبادیوں پر بم پھینکنا۔ انکی کم سن اور نوخیز لڑکیوں کی عصمت دری کرنا، ہوٹلوں پارکوں اور عام تفریح گاہوں میں کالوں کی توہین و تذلیل کرنا اور زدوکوب کرنا۔ کالوں کے کسی بچے کو گوروں کے پارک یا اسکول میں داخل نہ ہونے دینا۔ یہ ہے مہذب امریکہ میں کالے رنگ کی آبادی پر مظالم کی مختصر داستان۔

جب امریکہ اپنے گھر میں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ایسا انسانیت سوز ظلم کرتا ہے۔ تو وہ کس منہ سے دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ آزاد دنیا کا محافظ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ غلام دنیا کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ جہاں ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ کے کمزور اور پسماندہ ممالک کو غلام بنانے کی سازشیں تیار کی جاتی ہیں۔

لیکن اب پسماندہ محکوم اقوام نے امریکہ کا مکروہ اور بھیانک چہرہ دیکھ لیا ہے۔ اور وہ اس کے شرمناک ارادے جان گئے ہیں۔ اس لئے اب آزادی کی جدوجہد تیز ہوگئی ہے۔ بیشتر ممالک آزادی سے ہمکنار ہوئے۔ مگر امریکی سامراج نے وہاں ایسی چال چلی کہ اقتدار محبان وطن سے چھین کر اپنے زرخرید پٹھوؤں کے حوالے کردیا۔ تاکہ امریکہ اپنے سامراجی مقاصد پورے کرتا رہے۔ جو قومیں امریکی سامراج کے مقاصد کو پورا نہیں کرتیں۔ یا اس کے اشاروں پر ناچنے سے انکار کردیتی ہیں، تو سامراجیوں کا زرخرید پریس ان کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ شروع کردیتا ہے۔ ان پر من گھڑت الزامات لگائے جاتے ہیں کہ وہ کمیونسٹ ہیں یا کمیونسٹوں کے آلۂ کار ہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ قومیں اپنے موقف پر ڈٹی رہیں تو پھر انکی ہر قسم کی ناکہ بندی کردی جاتی ہے اور یہ سامراجی اپنے حاشیہ بردار ممالک کو بھی ان قوموں سے ہر قسم کے مراسم رکھنے سے روکتے ہیں۔ تاکہ ایسے نافرمان لوگوں کو الگ تھلگ رکھ کر بھوکوں مار دیا جائے۔

لاطینی امریکہ میں امریکی سامراج یہی کررہا ہے۔ کیوبا جو جمہوری آزادی کا نقیب ہے اس کے چاروں طرف راکٹ کے اڈوں کا جال پھیلا دیا ہے۔ مگر امریکہ بار بار اس حقیقت کو بھی بھول جاتا ہے کہ عوام ناقابل شکست ہیں۔ وہ راکٹوں ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں سے زیادہ طاقتور ہیں اور آخر کار فتح انھیں کو ہوگی۔

جمہوریہ ڈومینیکن لاطینی امریکہ کی چھوٹی سی ریاست ہے۔ حال ہی میں وہاں کے عوام نے کرنل کمانو کی قیادت میں امریکن کٹھ پتلی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ہر ملک کے عوام کو اپنی پسند کی حکومت بنانے کا اختیار رہے۔ مگر امریکی سامراج یہ کہاں برداشت کرسکتا ہے کہ کوئی دھڑتے سے اس کے مفادات پر ضرب لگائے۔ اس لئے اس نے ڈومینیکن میں اپنی تیس ہزار فوج اتار دی اور پر امن اور نہتے مردوں عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تادم تحریر وہاں محب وطن فوج اور امریکی سامراجی فوج میں جنگ جاری ہے۔

پانامہ میں امریکی سامراج نے اپنا بہت بڑا بحری اڈہ قائم کر رکھا ہے۔ یہ فوجی اڈہ وہاں کے عوام کی مرضی کے خلاف ہے۔ امریکہ کا یہ اڈہ قائم کرنے سے مقصد یہ ہے کہ لاطینی امریکہ میں وقتاً فوقتاً اٹھنے والی انقلابی اور جمہوری تحریکوں کو کچلا جاسکے۔

اقوام متحدہ کے منشور کی رو سے کسی ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنا جرم ہے۔ مگر امریکہ بار بار اس جرم کا ارتکاب کررہا ہے وہ عربوں افریقیوں اور ایشیا کے ملکوں میں بھی نہ صرف داخلی معاملات میں مداخلت کرتا ہے۔ بلکہ اپنے پٹھوؤں کے ذریعے وہاں کے آزادی پسند عوام پر جبر و تشدد بھی کرتا ہے۔

اس نے کانگو کے عظیم لیڈر لومبا کو قتل کرکے وہاں اپنے پالتو کتے شومبے کی حکومت قائم کردی اور امریکی سامراج کے اس جوتے چاٹنے والے

نے برسر اقتدار آتے ہی تمام محبان وطن کا قتل عام شروع کر دیا۔ کانگو کو آزادی سے ہمکنار کرنے والے کچھ جانبازوں کو قتل کر دیا گیا۔ کچھ جلا وطن کر دیئے گئے کچھ قید و بند کی صعوبتیں اٹھا رہے ہیں اور کچھ کانگو کے جنگلوں اور دیہاتوں میں ذلیل شومبے کی فوجوں سے برسرپیکار ہیں۔

امریکی سامراج کانگو والا ناٹک افریقہ کے دوسرے ممالک میں بھی دہرا رہا ہے۔ جن میں انگولا، موزمبیق، رہوڈیشیا، ٹانگانیکا اور جنوبی افریقہ شامل ہیں۔ رہوڈیشیا کے وزیر اعظم سر رائے ویلینسکی کا قول ہے کہ ہم گورے لوگ صرف حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ انگلستان کے اس پاگل بادشاہ کی کہانی تو آپ نے سنی ہوگی جو سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اس کی موجوں کو واپس جانے کا حکم دیا کرتا تھا۔ سر رائے ویلینسکی کا شجرۂ نسب بھی اسی پاگل بادشاہ سے ملتا ہے۔ کیونکہ موجودہ دور علم و آگہی کا ہے اور اس دور میں ایسی بات کوئی پاگل ہی کہہ سکتا ہے۔ مگر یہ شخص پاگل ہونے کے علاوہ عالمی سامراج کا نمائندہ بھی ہے جس نے مری ہوئی سرمایہ دارانہ غلامی کو بچانے کیلئے بے شرمی، ڈھٹائی، بربریت، بہیمیت، جرم اور خباثت کی تمام حدوں کو پار کر لیا ہے۔ سامراج اسرائیل کو اپنے شرمناک مقاصد کے لئے وجود میں لایا اور اسے بے انتہا اسلحہ سے لیس کر دیا اور اب یہ حقیر سا ملک سامراج کے اشارے پر بھارت جیسے عظیم ملک کو اسلحہ سپلائی کر رہا ہے۔ تاکہ پاکستان اور دوسرے پڑوسی ملکوں کو امریکہ سے شکایت کا موقع نہ ملے۔

دوسری طرف یہ ملک امریکی سامراج کے اشارے پر آئے دن عرب ممالک سے سرحدی جھڑپیں کرتا رہتا ہے اور عربوں کے لئے اسرائیل کا وجود ایک ناسور بن چکا ہے جسکو ختم کئے بغیر اس علاقے میں امن قائم نہیں ہو سکتا

سامراجیوں کا دوسرا کارنامہ عرب فیڈریشن ہے۔ جس کا مقصد عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ اور یہاں کی عوامی آزادی اور جمہوری تحریکوں کو کچلنا بھی۔ تاکہ یہاں کے عوام پٹرول کے کارخانوں کو قومیانے کے متعلق کوئی تحریک نہ چلا سکیں۔ اور مصر الجزائر اور انڈونیشیا کی طرح یہاں پر، سوشلزم کو نہ اپنا سکیں۔

سامراجیوں نے انڈونیشیا کے خلاف ایک زبردست اڈہ قائم کیا اور اس کا نام ملائیشیا رکھا جس کے ذریعہ انڈونیشیا کی ناکہ بندی کرنا اور اس کے ترقیاتی پروگرام کو ناکام بنانا۔ نیز ملایا کے ربر، ٹین اور دیگر خام مال کی لوٹ کھسوٹ کرنا۔ اور یہاں کے عوام کی انقلابی اور جمہوری تحریکوں کو کچلنا تاکہ یہاں کے عوام غربت، جہالت، پسماندگی افسردگی اور فرسودہ جاگیردارانہ نظام کے خلاف آواز بلند نہ کر سکیں۔

ایشیا میں کچھ ایسے ممالک بھی ہیں جہاں کے حکمرانوں نے وقت اور تاریخ کے اقتضاء اور عوامی مسائل کو پس پشت ڈال کر عالمی سامراجی لیڈروں سے ساز باز کر لیا ہے۔ اور ان کے اشاروں پر ناچنا اپنا ایمان بنا لیا ہے۔

بھارت ایک ایسا ہی ملک ہے۔ جہاں کے حکمرانوں نے اپنے عوام کے مسائل نظر انداز کر کے امریکی سامراج کے اشارے پر کیرالا میں کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ کروایا۔ تبت میں ناکام بغاوت کروائی۔ اور چین سے اشتعال انگیز سرحدی جھڑپیں کیں اور اب پاکستان سے سرحدی جھڑپوں میں مصروف ہیں۔ ادھر عوام خوفناک بے روزگاری۔ بھیانک بھوک اور بے انتہا غربت کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں اور جب یہ بوجھ کی زیادتی سے چیختے ہیں تو یہ خود غرض حکمران انھیں کہتے ہیں کہ ہمیں چین سے خطرہ ہے۔ ہمیں پاکستان سے خطرہ ہے۔ پہلے ان دونوں سے نبٹ لیں پھر تمہاری طرف توجہ دی جائے گی اور جو کوئی ان کے خلاف آواز بلند کرتا ہے ان کو جیل کی کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا ہے۔ مگر عوام کی آواز کو روکنا آسان نہیں، جلد ہی، محب وطن اٹھ کھڑے ہوں گے اور عالمی لٹیرے قومی آزادی کا سوداگر کرنے والے، حکمرانوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ کہ قوم سے غداری کرنے والوں کا یہی مقدر ہے۔

فارموسا میں کٹھ پتلی چیانگ کائی شیک امریکی ساتویں بحری بیڑے کے زیر اثر کمیونسٹ چین کو فتح کرنے کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ یہاں سے ہر روز چین کی سرحد پر سینکڑوں جاسوس چھوڑے جاتے ہیں۔ اور آئے دن یہاں کی فوجیں چین کی سرحد پر گولہ باری کرتی رہتی ہیں۔ تاکہ چین کے اقتصادی پروگرام میں خلل ڈالا جائے۔ چین کے خلاف امریکہ نے مختلف ممالک میں وہاں کے عوام کی مرضی کے خلاف اپنے زبردست فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ جن میں جاپان تھائی لینڈ اور فلپائن شامل ہیں۔ اور یہاں سے اکثر جاسوس طیارے اور اسلحہ سے لیس بمبار چین کی سرحدوں پر اشتعال انگیز کاروائیاں کرتے رہتے ہیں اور کمبوڈیا اور لاؤس میں بھی امریکی طیارے ناجائز پرواز کرتے ہیں اور وہاں پر امریکی مداخلت بھی برابر جاری ہے۔

اب ساری دنیا کی اقوام امریکی سامراج کے گھناؤنے کردار کو سمجھ گئی ہیں۔ اس عالمی سامراجیت کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔ اس کو ختم کئے بغیر آزادی کا تصور ناممکن ہے اور اس مقدس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آج پھر تمام محکوم ممالک کے عوام ایک بار آزادی حاصل کرنے کے لئے عظیم قربانیاں دے رہے ہیں۔

ویت نام کے عوام یہ قربانیاں دینے میں پیش پیش ہیں۔ جنھیں کچلنے کے لئے امریکہ وہاں روزانہ پچاس لاکھ ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ ہر آنے والا دن اپنے جلو میں نئے مظالم لے کر آتا ہے۔ وہ لرزہ خیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی تصاویر کس نے نہیں دیکھیں جس میں ایک نوجوان کو چت لٹا کر امریکی فوجیوں نے اس کے پیٹ میں آدھا خنجر بھونک دیا ہے اور اس سے اس کے ساتھیوں کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ اور ایک نوجوان کو خاردار تاروں میں لپیٹ دیا گیا ہے اور اسے رولر کی طرح گھمایا جا رہا ہے اور ایک نوجوان کو الٹا لٹکا کر اس کا سر گردن تک ایک پانی سے بھرے ہوئے مٹکے میں ڈال دیا گیا ہے۔

ویٹ نامیوں کو صرف شبہ کی بنا پر بھی گولی ماری جاتی ہے سر راہ گولی مارنا یا پھانسی دینا تو عام ہے۔ اور امریکی درندے کمسن بچیوں نوجوان لڑکیوں اور بوڑھی عورتوں سے زنا کرتے ہیں۔

جنوب مشرقی ایشیا میں امریکہ اپنی جارحانہ پالیسی کے باعث یہاں کے عوام میں ذلیل و خوار ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی سامراج ایشیا میں آخری ناکام جنگ لڑ رہا ہے۔ اس لئے اسکی حالت خارش زدہ پاگل کتے کی سی ہو گئی ہے جو مرنے سے پہلے ہر شخص کو کاٹنے کے لئے دوڑتا ہے۔ بالکل یہی حالت امریکی سامراج کی ہے جو اپنی ذلت کا انتقام شمالی ویت نام پر بمباری کر کے لے رہا ہے۔ یہ آگ اور خون کا کھیل جاری ہے اور اقوام متحدہ چپ ہے، "آزاد" دنیا کے منہ کو تالہ لگا ہوا ہے اور انسانیت کا قاتل اور بین الاقوامی لٹیرا اپنی من مانی کاروائی کر رہا ہے۔ کیا دنیا کا ضمیر مر گیا ہے؟ کیا اقوام متحدہ مر چکی ہے؟ کیا تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ نہیں ہوا ہو یا نہیں لیکن امریکی لیڈروں نے تہذیب و تمدن اور انسانی اقدار کو تہہ و بالا کر دیا ہے اور وہ انسانیت کے جامہ سے باہر آ کر وحشی اور درندہ بن گیا ہے۔ مگر خود اس درندہ کا ملک اور قوم محفوظ ہے اور یہ اپنے ملک سے ہزاروں میل دور شمالی ویت نام کے پر امن اور نہتے باشندوں پر بم برسا رہا ہے۔ زہریلی گیس چھوڑ رہا ہے محض اسلئے کہ وہ اس کے سرمایہ دارانہ نظام کو نہیں مانتے جنکی بنیاد ہی لوٹ کھسوٹ اور ظلم پر استوار کی گئی ہے لیکن ایک دن آئیگا کہ تمام دنیا کے عوام مل کر امریکہ کے سرمایہ دارانہ نظام اور اس ظلم و تشدد کے پرخچے اڑا دیں گے اور اسے بحر الکاہل کے گہرے سمندروں میں غرق کر دیں گے اور پھر آزادی کی دیوی اپنے پرنور وجود سے تاریک جہانوں کو منور کرے گی ؛

ساغر فیاضی

نئی کہانی

شمیم !

میری پلکوں پر آنسو لرز رہے ہیں ۔

اور کنواری رات کا اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا ہے ! انگور اور زرد گلاب کی بیلیں پھیل چکی ہیں، مدھم چاندنی میں چمپا، مولسری اور سرو کی قطاریں ساکت کھڑی ہیں "نغموں کی رات" اس اطمینان بخش خاموشی میں جبکہ ساری کائنات چپ کے گونجتے ہوئے سناٹے میں گہرے سانس لے رہی ہے ۔

"رین بو" کے کھلے ہوئے دریچوں سے آتی ہوئی آرکسٹرا کی پیاری دھنیں مجھے اپنے پاس بلا رہی ہیں، جس کے سبزے کی روش پر رنگ برنگ کی روشنیاں رینگ رہی ہیں — اور میں "رین بو" کے سامنے والے پارک میں بیٹھا ایک نئی کہانی تخلیق کر رہا ہوں ۔

ہری، پیلی، نیلی، سرخ، سبز، روشنیاں جل رہی ہیں، بجھ رہی ہیں ۔ اور اندر ایئر کنڈیشن بال روم میں سیتا کی بیٹیاں آدم کے بیٹوں کے ساتھ محوِ رقص ہیں ۔

مدھم سروں میں بلو ڈینیوب بج رہا ہے ،
آرکسٹرا کی گت سے ساری فضا لرز رہی ہے ۔

اور سوسائٹی کے ایوانوں پر جھکا ہوا چاند، جذبات کے ساحلوں پر لرزتے ہوئے سائے، جھلملاتے ہوئے قمقمے اور سوسائٹی کے ڈرائنگ روم میں بھرے جسموں والی لڑکیاں — ؟"

یہ لڑکیاں جو اپنے ڈریسنگ روم کی ساری بتیاں جلا کر سنگھار کرتی ہیں اور خیالوں میں کسی اجنبی شہزادے کا تصور لے کر "رین بو" کی جگمگاتی ہوئی عمارت میں گم ہو جاتی ہیں ۔

یہیں مجھے شہناز ملی تھی !

جس نے بڑے آرٹسٹک طریقوں سے بالوں میں بنفشی پھول سجا رکھے تھے اور جگمگاتی ہوئی دنیا میں، جس میں پھولوں کی خوشبوؤں اور نغموں کا ڈھیر تھا اداس تھی، اس کی گہری سیاہ خمیدہ بھنوؤں کے نیچے دو کالی بھنورا سی آنکھیں پرسکون جھیلوں کی طرح خاموش تھیں اور ریشمی لانبی پلکیں ایسی، جیسے شام کو خاموش درختوں کے سائے جھیل پر سو رہے ہوں ،

اور اس نے مجھ سے کہا تھا ۔

میں نے تمہیں پہچان لیا ہے، تم زندگی کے گیت لکھتے ہو ۔ اور محبت کی کہانیاں — تمہارا نازک قلم محبت کی معراج سنوارنا جانتا ہے، ہیر کی بانسری کی نغمگی، فرہاد کے تیشے کی آبدار محبت، مہیوال کا عظیم سوز، سب کچھ تمہارے فن میں مسکراتا ہے ،

"آپ کی ذرہ نوازی ہے ۔" میں نے کہا ۔

"آخر یہ سب کس لئے — ؟" اس نے پوچھا ۔

"میں محبت کی دیوی کی مسکراہٹ دیکھنے کا متمنی ہوں — !" میں نے کہا

لیکن وہ، زندگی کی ان دیویوں کی بیکس عریانیت، اور بے بس بھوک پر آنسو بہا رہی ہے جو آج لچھمنوں کے کردار کو ترستی — ہوئی سیتائیں نہیں بن سکتیں ۔ جو آج سرمائے کی نقرئی انجمن میں اپنی بھوک کا علاج ڈھونڈنے پر مجبور ہیں ۔ جو اپنی محبت تو محبت — جسم بھی اپنے مقروض بوڑھے باپ کے قرض پر نچھاور کر دیتی ہیں ۔ جو اپنی مریض ماں کی ایک خوراک دوا کے لئے تانبے کے چند سکوں کے عوض اپنی عصمت کا سودا کرنے پر مجبور ہیں ۔!

"آپ بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھیں ۔ چھوڑیئے ان قصوں کو — جب تک یہ دنیا قائم ہے — اسی طرح چلتا رہے گا ۔ دیکھئے آرکسٹرا نے ایلین بلو گاؤن کا نغمہ چھیڑ دیا ہے ۔ کتنا پیارا ہے !" میں نے کہا ۔ اور وہ تڑپ اٹھی ۔

"افسانہ نگار ہو — ؟" اس نے کہا ۔

"مجھے شاہد کہتے ہیں — !" میں نے اپنا تعارف کرایا ۔

"کچھ بھی ہو مگر تم اپنا طرزِ تحریر بدل دو — رومان اور جذبات سے کھیلنے کی بجائے، زندگی کی ان ٹھوس حقیقتوں کو اجاگر کرو، جن سے آنکھوں میں محبت کے نشے کی بجائے زندگی کا دہکتا ہوا لاوا پھوٹے جو سماج کو سرتاپا جھلس دے محبت کی عظیم تشکیل کے بجائے زندگی کا وہ ناسور پھوٹ پڑے کہ زندگی خود زندہ ہو کر مسکرا پڑے، اور جب زندگی مسکرا پڑے گی تو ہر طرف مسکراہٹوں، بہاروں، اور خوشیوں کا دور ہوگا، اور محبت کی دیوی تمہارے سر پر اپنی محبت کا عظیم تاج رکھ دے گی — نگار — !

"اس کے لئے مجھے ایک جنم اور درکار ہوگا محترمہ — ؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

"یہ غلط ہے ۔ تم زندگی سے فرار چاہتے ہو، تم محبت کی دیوی کو دھوکا دینا چاہتے ہو، تم خود غرض ہو، لیکن یاد رکھو، وقت تمہیں فراموش کر دے گا اور آنے والی نسلیں تم پر اور تمہارے فن پر کیچڑ اچھالیں گی"، اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی "رین بو" سے باہر چلی گئی — اور میں اسی میز پر بیٹھا سوچتا رہا یہ کیسی لڑکی ہے، یہ کیا چاہتی ہے، ہونزوجل — دانتے، شیکسپیئر، رومی، حافظ اور غالب کی باتیں کرتی ہے ۔

شوخ و شنگ الھڑ جذباتی موسیقی کی دیوداسی ۔

عمر خیام کی رباعی سے زیادہ خوبصورت ۔

چار آنے والی گھٹیا بکتی ہوئی موسمبی سے لے کر ڈاروِن ہیگل اور کانٹ تک پر بحث کرتی ہے ۔ میں سوچ رہا تھا کہ یکایک کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا ۔ اور میری سوچ کا دیوالہ نکل گیا ۔ میں نے پلٹ کر دیکھا میرے سامنے نسیم کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا ،

نسیم ایک لاؤبالی سا انسان جس کو اپنی شہرتیں کتنی پسند تھیں۔ اس نے مجھے ۵۵۵ کے ٹن سے سگرٹ نکال کر دیا اور ہال میں رقص کرتی ہوئی لڑکیوں پر تبصرہ کرنے لگا۔

اف یہ بے چاری لڑکیاں کس قدر بے وقوف ہیں۔ اور ستم ظریفی تو ملاحظہ فرمایئے۔ خود ہی نشانہ بننے کا مکمل ذوق رکھتی ہیں۔ اور جب ایک لڑکی ہماری میز کے پاس سے سیاہ دوپٹے کو اپنے گداز بازوؤں پر سمیٹتی ہوئی گزری تو اس کی آنکھوں میں ایک شوخی اور شرارت آمیز رومان کی جھلک پیدا ہو گئی — اور لڑکی کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ اور اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مجھ سے کہا۔

اس قدر اسٹائل سے سگرٹ نہ پیا کرو۔ ہنیں تو لڑکیوں کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ اور میں مسکرا دیا تھا۔

دیکھو وہ لڑکی کس شان سے بیٹھی ہے۔ ذرا سب کی نظریں بچا کر اس لڑکی کو دیکھو، اور پھر اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی شریر مسکراہٹ سمٹ گئی —— اور آنکھوں میں آوارگی جھانکنے لگی۔ اچانک ہال کی روشنیاں مدھم پڑ گئیں اور ایک پیارا سا نغمہ ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگا۔ مرمریں فلور پر جھکتے ہوئے لوگ بکھر گئے اور انھیں بکھرے ہوئے لوگوں میں سے ایک لڑکی نکل کر جب ہماری میز کے قریب آئی تو نسیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

میرا جی چاہتا ہے، ایک زبردست زلزلہ آئے، سارے مکانات گر جائیں اور میں تمہیں اپنے بازوؤں میں اٹھا کر کہیں دور بھاگ جاؤں۔

ڈوب جاؤ تم۔ کیسی بے تکی باتیں کرتے ہو —" اور وہ چلی گئی — اس کے جانے پر میں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ اور نسیم کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا ہال کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ایک لڑکی ڈول رہی تھی۔ اس کے جلتے ہی میں بھی "رین بو" کی عمارت سے باہر آ گیا ——

لیکن باہر آتے ہی میرے ذہن میں شہناز کی باتیں گونجنے لگیں اور میں سوچنے لگا، کتنی حقیقت پسندانہ باتیں کی ہیں اس نے۔ میں نے بھی تو زندگی کا ایک ہی رخ دیکھا ہے، لیکن دوسرا رخ دیکھنے کے لئے مجھے کہاں جانا پڑے گا۔

اور پھر اندر سے میرا دل بول پڑا ——

زندگی کی غم آلود آنکھوں میں، فاقہ زدہ سسکیوں میں، سرمایہ داری کے لشکارہ بجھے ہوئے چراغوں میں، سماج فٹ پاتھ پر جہاں موسم سرما اکڑتی ہوئی زندگیوں پر مسکراتا ہے۔ کسانوں اور مفلسوں کی نگری میں جہاں ان مرجھائی ہوئی جوان عورتوں کی عصمتیں بھرے ہوئے گوداموں کے بوجھ تلے سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے۔ جن کے ایک ایک دانے کی طرف دیکھتے دیکھتے، ماؤں کی چھاتیوں کا دودھ بھی خشک ہو جاتا ہے۔ اور پھر میری آنکھوں کے سامنے نغمہ کی تصویر گھوم گئی۔

نغمہ جس کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔ وہ ابھی شادی کے ارمانوں کو مطمئن بھی نہ کر سکی تھی کہ زمیندار کے عیاش نوجوان لڑکے نے اسکی مانگ کا سیندور اجاڑ دیا، محض اس لئے کہ وہ اسکی عیش کوشی کو اپنی جوانی سے سیراب نہ کر سکی تھی، اور پھر زبردستی بیوگی کے کھنڈر میں اسکی عصمت کا شیرازہ بکھیر دیا گیا، دولت ہی کے بل پر جسکے بوجھ تلے سماج بھی دم نہیں مارتا۔

اور آج لوگ اسے آوارہ، بدمعاش اور روسیاہ کہتے ہیں اور وہ نوجوان اسکی ویسی ہی عزت ہے، اسکی روسیاہی اس کا خاندانی شرف ہے۔ اور نغمہ مسلسل فاقوں سے تنگ آ کر پیٹ کی خاطر اس سرمایہ دار کے دیا ہوا سبق، ہوٹلوں، پارکوں اور سنیماؤں کی بالکونی میں دہراتی پھرتی ہے نہ معلوم ایسی کتنی نغمائیں ہیں جو پیٹ کی آگ سے مجبور ہو کر گناہ کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہیں، کتنی ایسی ہی مائیں ہیں، کتنی ایسی ہی بہنیں اور بچے ہیں۔ جن کی جوان محنت پر قوم پلتی ہے۔ ملک امن و شانتی کا دعویدار ہوتا ہے۔ ان سوکھی ہوئی چھاتیوں کو چوستے چوستے اپنی ماؤں کے ساتھ اسی ملک کی زمین کا پیوند ہو جاتے ہیں اور چور بازاری کرنے والے سرمایہ دار، جن کے گودام اور تجوریاں ان کے پیٹ کی طرح بھرے رہتے ہیں انکی سوکھی ہوئی چھاتیوں پر قہقہے لگاتے ہیں۔

اور میں "رین بو" میں بیٹھ کر موت کے نغمے سنتا ہوں، جاز کے گیت اور شری کے گلاسوں کے سہارے اپنی شامیں گزارتا ہوں۔ میں نے آج تک تصویر کا رخ ایک ہی دیکھا، اور مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ٹیگور اور اقبال کی سرزمین پر صرف گندگی اور بھوک ہے،

اور میرے دل کے اندر بیٹھا ہوا انسان چیخ پڑا —

نہیں یہ جھوٹ ہے۔ انھوں نے خود ہی اپنے لئے یہ ٹوٹا پھوٹا گھر بنایا ہے۔ ورنہ یہاں تو زندگی شیشوں کے رنگ محلوں میں رہتی ہے —— حکومت اندھی نہیں ہے قانون اتنا ظالم نہیں ہے، جوان کو چھوڑ دیگا یہ سب دھوکا ہے، تہمت ہے، الزام ہے، اور پھر میرے خیالات بے ربط ہوتے گئے اور جذبات کے تسلسل کا کوئی سلسلہ نہ رہا۔

شمیم! وقت کی دھن میں کھو جانے والے گیت، والنز کے نغمے، سیل ڈیائل، شانتا رام، محبوب کی فلمیں۔ بہت چھوٹی موٹی چیزیں ہیں۔ جو انسان کو خوش نہیں کر سکتیں۔ ان کے سہارے زندگی سے کون گریز کر سکتا ہے۔

زندگی کا چاند ہمیشہ قہقہوں، آنسوؤں اور خوبصورت خوابوں کے جزیروں میں ہی طلوع ہوتا ہے، لیکن میرا چاند طلوع نہ ہوا۔ میں ہر روز باقاعدگی کے ساتھ "رین بو" کی عمارت میں اسی میز پر بیٹھا ہوا اس کا انتظار کرتا رہا —— لیکن وہ نہ آئی۔

اور پھر ایک دن میں نے دیکھا۔

وہ اسی میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے چاروں طرف زندگی برس رہی ہے۔ سائیکی کی مسکراہٹ، کیوپڈ کے تیر و کمان ہرکولیس کی قوت، اپالو کا جلال ہمارے چاروں طرف رومان برسا رہا تھا زندگی کی بارش ہو رہی تھی، سیل کے پھول گر رہے تھے اور ہولی ہوک کے پودے لہرا رہے تھے۔ تو میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے، جو تمہاری روح دل اور ہونٹوں کی پیاس بجھا دے اور مجھے ایک گیت یاد آیا۔

میں تمہارا خواب ہوں۔ تم میری چاندنی ہو۔ میرے دل کی سیاہ آنکھوں والی ملکہ —!

اور وہ مسکرا دی تھی، یکایک شور مچاتی ہوئی لڑکیاں داخل ہوئیں اور زندگی کے سارے کے سارے آثار ایک ساتھ ابھر گئے، جھومر کی مہک اور سگرٹ کی لو ایک ساتھ تیز ہو گئی۔

آرکسٹرا پر ہالی ووڈ کی تازہ دھنیں چھڑ گئیں۔ رنگین سائے چکر کاٹنے گرم موسیقی کی پرشور لہریں آہستہ آہستہ پھیلتی گئیں اور شہناز اٹھ کر ایک فوجی افسر کے ساتھ رقص کرنے لگی، میرے دل پر ایک زبردست چوٹ لگی اور میں نے اپنا سر میز پر رکھ دیا۔

رقص ختم ہو چکا تھا اور شہناز اس فوجی افسر کی میز پر بیٹھی ہوئی کوکا پی رہی تھی اور میرے سامنے نسیم بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا اور پھر ہماری میز پر بھی اسکاچ اور کوکو کی بوتل آ گئی۔ اسکاچ کی بوتل کا کاک اڑاتے ہوئے نسیم نے مجھ سے کہا۔

"اس لڑکی کو دیکھ رہے ہو۔"

"کون سی ؟"

"وہ جو اس فوجی افسر کی میز پر بیٹھی ہوئی ہے ۔"

"اچھا وہ ـــ بڑی بڑی آنکھوں والی ـــ !"

"ہاں وہی شہناز ـــ ایک تخیل پرست رومانی لڑکی ۔ لاپرواہ دیوتاؤں کی بنائی ہوئی دنیا کی پن اپ گرل جسکی آنکھوں کا خواب کتنا سہانا ہے ۔ ہائے !

"ارے کچھ بکو گے بھی، یا یوں ہی شاعری کرتے رہو گے ؟" میں نے اسکی بات کاٹ کر کہا ۔

اگلے سنڈے کو ہم دونوں شادی کر رہے ہیں ۔ اس کے بعد ہنی مون منانے کو کسی پہاڑی مقام پر جائیں گے ۔" نسیم نے ایک ہی سانس میں سب کچھ اگل دیا اور میں سر تھام کر رہ گیا ۔

"کیا ہوا تم کو ـــ ؟"

"کچھ نہیں بس یہ سوچنے لگا تھا کہ تم ایک سرمایہ دار ہو اور تعجب ہے اس نے کیسے تمہیں پسند کر لیا ۔" میں نے کہا ۔

"ارے یاران لڑکیوں کی مت پوچھو ۔ یہ کہتی کچھ ہیں اور کرتی کچھ ہیں ۔" نسیم نے مسکرا کر کہا ۔ اور اس میز کی طرف بڑھ گیا جہاں شہناز بیٹھی ہوئی تھی ۔

اور جب میں جگمگاتی دنیا کی جگمگاتی عمارت سے باہر نکلا ۔ تو سرد اور اکتایا ہوا چاند پام کے جھنڈ کے پیچھے سے آہستہ آہستہ پھر طلوع ہو رہا تھا ۔ اور میں سوچ رہا تھا ۔

زندگی کے راستوں پر جسم ہی جسم ملتے ہیں ، روح نہیں ۔ روح کیوں نہیں ملتی ، اور پھر میرے کانوں میں شہناز کے الفاظ گونجنے لگے ۔

جب دل ٹوٹ جاتا ہے تب کہیں جا کر فاوسٹ کی تکمیل ہوتی ہے ۔

تاج محل وجود میں آتا ہے ۔

ٹوٹا ہوا دل ہارڈی اور شیلے بن جاتا ہے ۔

اور پھر میری پلکوں پر دو آنسو لرزنے لگے ۔!

اور میرا قلم خون اگلنے لگا ۔

میری کہانیاں ایک نئے ساز پر رقص کرنے لگیں ۔

کرنباک رقص ۔!

کراہتے ساز پر ـــ جسکی دھن وجد آفریں نہیں ۔ بلکہ آہ بہ لب تھی ۔ جس میں فاقہ جوان تھا ، بھوک مچل رہی تھی ، اور آسودگی بوڑھی ہو رہی تھی ۔

میرا ٹوٹا ہوا دل رو رہا تھا کہ اچانک تم مجھے مل گئیں ، اور تم نے میری آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا ۔

شاید ہم دونوں زندگی کے ساز پر نئی کہانی چھیڑیں گے ۔ ایک نیا سورج پیدا کریں گے جس کی صبح مسکراتی ہوئی ہوگی اور جس کے دامن میں بہاریں ہی بہاریں ہونگی ، اور میں مسکرا پڑا تھا ۔ میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو رک گئے تھے ۔ اور میرے چاروں طرف روشنی ہی روشنی بکھر گئی تھی ۔ میری کہانیوں کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی ۔

اور میں نے سوچا تھا ۔ اب کبھی میری آنکھوں سے آنسو نہیں بہیں گے اب کبھی میرے ہونٹوں پر آہ نہیں مچلے گی ۔ اور میں آہستہ آہستہ شہناز کے غم کو بھولنے لگا تھا ۔ کہ اچانک میری زندگی میں ایک نیا انقلاب آ گیا ۔

میرے چاروں طرف بکھری ہوئی روشنی اندھیروں میں تبدیل ہو گئی ۔ بہاروں کی جگہ خزاں نے لے لی ، اور ایکبار پھر میرے ہونٹوں پر سرد آہ آ کر ٹھہر گئی ۔ اور میری آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے آنسوؤں نے جگہ بنالی ۔

شمیم ! مجھے معلوم ہے تمہاری شادی ہو رہی ہے ۔ کل ہی دلوں کے پرچم سرنگوں ہوں گے اور سیب کے شگوفے ٹہنیوں سے ٹوٹ کر خاک پر گر پڑیں گے ۔ اور میرے پیار کی لاش چشمے کے نیلے پانی میں تھر دں پہلے گی ۔

تمہارا بالوں سے اتارا ہوا سفید گلاب میرے پاس ہے ۔ وہ مرجھا گیا ہے ۔ اور اسکی پتیاں خشک ہو کر زرد ہو گئی ہیں ۔ یہ پھول میرے ساتھ جائے گا ۔ میرے ساتھ ہی ایک بار پھر زمین کی تاریک تہوں کو چھو کر نمودار ہوگا ۔ اب مجھے ایک اور جنم کا انتظار ہے ۔

کیونکہ اس آسیب زدہ قلعے میں جو کوئی بھی ہے مہر بہ لب ہے ۔ منگنی ، شادی بیاہ ، موت ، یہ کسی اور ہی ملک کی زبان ہیں میں اسی زبان سے ناواقف ہوں ، میں صرف غم کی زبان بولتا ہوں ، اور محبت کی بولی سمجھتا ہوں ۔

کل تمہاری شادی ہوگی ۔ تم دلہن بنائی جاؤ گی ۔

اور میں اپنے کمرے میں بیٹھ کر تمہاری بارات کی شہنائیاں بھی نہ سن سکوں گا ۔ کیونکہ ۔

میرے کمرے میں ہمیشہ ـــ ہمیشہ کے لئے ایک گہرا سکوت چھا گیا ہے شمیم ! پچھلی رات کا چاند ویران کھائی کے بالکل اوپر جھک آیا ہے مدھم چاندنی میں چھپا ، مولسری اور سرو کی قطاریں ساکت کھڑی ہیں ۔ اور میں ـــ "زین بو" کے سامنے والے پارک میں بیٹھا ہوا ایک نئی کہانی تخلیق کر رہا ہوں اور میری پلکوں پر آنسو لرز رہے ہیں ۔

بقیہ ۔ اندھیرے اجالے

گہری ہو گئی ۔

"کیا کرونگا رحمت ـ کیا کروں گا ـــ میرا چراغ تو بجھ گیا ۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا ـــ

"رحمت سرکار تو سو رہے ہیں نا ـــ اب منی شور نہیں مچا رہی رحمت شور نہیں مچا رہی ۔"

فرشتوں نے آسمان پر سسکیاں بھریں ۔

"ہم تو اندھیرے کے کیڑے ہیں ـــ اندھیرے کیڑے ـــ ہم لیمپ لے کر کیا کریں گے ۔"

کائنات کا دل کانپ کانپ اٹھا ۔

رحمت نے بڑھ کر مالی کو سنبھالا ۔

کوٹھی کے بیڈ روم میں ستار سیٹھ نے نیند میں کروٹ بدلتے ہوئے کہا ۔

"یہ کیا شور ہو رہا ہے بیگم ـــ ایسے لگتا ہے جیسے کوئی رو رہا ہو کہیں ۔"

اقبال منہاس

سواگت

تمہیں یہ کس نے کہا تھا
کہ دو صدا مجھ کو
حسین صبحوں کے ہنستے ہوئے چناروں سے
جوان شاموں کی گلپوش رہگذاروں سے
میں ایک عمر سے سویا تھا حجلۂ شب میں
مگر تمہاری نوکیلی صدا کے خنجر نے
کچھ اس طرح مجھے زخموں سے چور کر ڈالا
کہ توڑ کر نکل آیا ہوں میں فصیلِ شب!!
تمہارا فرض ہے
اب میرے دل کے دامن کو
حسین پھولوں سے لعل و گہر سے بھر ڈالو
نہیں ہیں پھول
تو پتھر اٹھا کے دے مارو
کہ یہ بھی میرے سواگت کی ایک صورت ہے!

احسن جعفری

غزل

پیراہنِ رنگیں ہے نہ خوشبوئے حنا ہے
سونی سی بہت شہرِ تمنا کی فضا ہے
مہکا ہوا ہے صورتِ گل آج بھی ہمدم
وہ زخم جو دل کو تری نظروں سے ملا ہے
دکھلائیں کسے جا کے دلِ زار کا عالم
ہر لمحہ ترے درد کی آنچوں میں تپا ہے
کیا جانئے وہ کون سا تھا قرب کا لمحہ
جو ہجر کے ہاتھوں میں مجھے سونپ گیا ہے
اس شہرِ گل و رنگ میں بے گیسو و رخسار
ہر منظرِ شاداب حسیں بجھ سا گیا ہے

احسن نہ ہوا تیرگیٔ راہ کا احساس
مکھڑوں کے اجالوں میں سفر ہم نے کیا ہے

قمر اعجاز

امید

یہ شب تار یہ ظلمت یہ ستم کی زنجیر
دوستو یہ تو نہیں اہلِ جنوں کی تقدیر
کوہِ بیداد بھی ہے تیشۂ احساس بھی ہے
اور پیمانِ محبت کا ہمیں پاس بھی ہے
کون کہتا ہے کہ اب صبح نہیں آئے گی
کون کہتا ہے یونہی وقت گزر جائے گا
جو بھی آئے گا رہے گا وہ یہاں شکوہ بلب
جو بھی آئے گا وہ بادیدۂ تر جائے گا !
کون کہتا ہے نہ پھر لوٹ کے آئے گی بہار
کون کہتا ہے نہ دیکھیں گے سحر کے آثار
کون کہتا ہے کہ محبوس رہیں گے احساس
کون کہتا ہے کہ پابند رہیں گے افکار
ظلمتِ شب ہی تو ہے شمعِ جنوں کیا کم ہے
دیدۂ شوق بہرحال ابھی پرنم ہے
طے ہمیں کرنا ہے اک روز فصیلِ غم کو
دوستو! صبحِ درخشاں پہ یقیں ہے ہم کو

شیر افضل جعفری

غزل

آدمی کرتے ہیں لوگوں کو شکار
بستیوں کی جھولیوں میں ہیں کچھار
موت نے اس کو چبایا لاکھ بار
نسلِ آدم بھی ہے پتھر کا اچار !
باغباں، آم اور جامن کے عوض
بو رہے ہیں آک، تمّے اور گوار
کوٹھیوں میں رہنے والے الشّور
کوٹھیاں اہلِ غرض کے ہر دوار
اللہ اللہ یہ سیاسی مولوی !!
کھائے بیٹھے ہیں خدا پر بھی ادھار

دھجیاں اڑنے لگی ہیں عقل کی
دل کا دامن بھی ہے افضل تار تار

کاش! ہم ایک ہو جائیں

ابنِ عطاء

اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں، جہاں سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے انسان فضاؤں سے چاند تارے توڑ لانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ وہاں زمین پر بسنے والوں کے دلوں سے محبت عنقا ہوتی جارہی ہے۔ اور خاص طور پر ہماری اپنی پاک سرزمین میں اس بیماری نے تپ دق کے جراثیم کی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ جراثیم خود بخود پیدا نہیں ہوئے بلکہ پیدا کئے گئے ہیں۔ ہر اس ملک میں جہاں نظام سرمایہ داری کا ظالمانہ تسلط قائم ہے اس بیماری میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور جو طبقہ اس کا شکار ہے وہ ہے مزدور طبقہ ــــ

آج کا مزدور خاندان بری طرح ذہنی خلفشار اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہے۔ مزدور کو اسکی محنت کی اتنی قیمت نہیں ملتی جسکا وہ حق دار ہے ـــ نتیجتہً بھوک کے چنگل میں پھنس کر نہ تو وہ اپنی ہی ذہنی کیفیت کو صحیح خطوط پر رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے خاندان کی صحیح پرورش اور تعلیم ہی اسے میسّر آسکتی ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنے عزیزوں ـــ دوستوں ـــ اور گھر والوں کو اعتماد کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اور بعض تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہاں کی مٹی میں ہی یہ اثر ہے کہ دلوں میں محبت اور خلوص نہیں رہا ـــ! کاش وہ لوگ اس مٹی کے اثر اور اپنی بگڑی ہوئی زندگی کی صحیح وجہ سمجھ لیں جو انھیں خرد سے بیگانہ کئے ہوئے ہے۔ تو یقینی ہے کہ وہ اسی مٹی سے محبت کی دیوی اور خوشحالی کے دیوتا کو جنم دے لیں گے۔

ہم ذرا اپنے ماحول کو ٹٹولیں اور دیکھیں کہ وہ کیا وجوہات ہیں جو ہمیں ایک دوسرے سے بے گانہ کئے ہوئے ہیں۔

یہ ایک چھوٹا سا خاندان ہے ـــــ جس میں ماں باپ بہن بھائی عزیز و اقارب سب ہی شامل ہیں ـــ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی کسی سے پیار اور محبت نہیں رکھتا۔ باپ کو بیٹوں سے شکایت ہے اور ساس کو بہو سے ـــ نوجوان لڑکیاں اور بہنیں عزت و ناموس کے دامن چاک کر رہی ہیں۔ آیئے اسے قریب سے دیکھیں۔

یہ سب ایک چھوٹے سے جھونپڑے نما مکان میں عسرت و تنگدستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چھ سات بچے ہیں جن میں دو نوجوان لڑکیاں ہیں۔ باپ مل کا ایک معمولی ملازم ہے۔ ساتھ ہی نوجوان بیٹا اور اس کی بیوی بھی اسی چھوٹے سے مکان کے ایک گوشے میں رہتے ہیں۔ جن کے ابھی کوئی بچہ نہیں ہے۔

باپ کو بیٹے سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ وہ اسکی کچھ مدد نہیں کرتا ـــــ بیٹے کو تین روپے روز ملتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک مل کا ملازم ہے وہ باپ کو ہمیشہ کوستا ہے کہ اگر اسکی تعلیم خاطر خواہ ہو جاتی تو آج اس پر جابر اور مل کے ناخداؤں کے قہر تو نہ نازل ہوتے ـــ وہ بیوی کی وجہ سے بھی پریشان رہتا ہے۔ وہ نوجوان ہے۔ خوبصورت ہے۔ اسکی بھی کچھ خواہشیں ہیں ـــ مگر ـــ وہ اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اور یہی بھوک اسکی زندگی کو جہنم کے راستے پر لے جاتی ہے ـــ وہ جب تھکا ہارا آتا ہے تو بیوی سے بات کئے بغیر ہی سو جاتا ہے ـــ جوانی جو کہ بذاتِ خود دیوانی کہلاتی ہے بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے دل میں آرزوئیں، کلبلانے لگتی ہیں ـــ اور پھر قسمت کے چکر میں گرفتار ہو کر وہ بھی پژمردہ سی لیٹ جاتی ہے اور ناامیدیوں کے عمیق غار میں اترتی چلی جاتی ہے ـــ اور یوں ہی محبت کا فقدان اس کے دل میں ہوتا چلا جاتا ہے ـــ اور جب وہ اپنے شوہر کے سوکھے ہوئے جسم اور زرد چہرے کو دیکھتی ہے تو اسے وہ ایک ایسی بیماری نظر آتا ہے جسکے قریب ہونا بھی خطرناک ہے۔ اور اس کا دل راہ فرار اختیار کرلیتا ہے۔ اب وہ ایسے راستے تلاش کرتی ہے جن سے وہ اپنی خواہشات کی کچھ تکمیل کر سکے۔ وہ اپنے اردگرد اور اپنے ماحول پر نظر ڈالتی ہے تو اسے ایک خوش پوش نوجوان نظر پڑتا ہے جو اکثر اس کے باپ بھائی سے ملنے آتا ہے۔ جو کسی فرم میں دو سو روپے کا ملازم ہے اور کنوارا ہے۔ ۳۰ سال کے پیٹے میں ہونے کے باوجود شادی نہ کر سکا کیونکہ شادی کرنے کے لئے اس کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ رسم و رواج نے حرام کی راہ آسان کر دی ہے لہٰذا جنسی بھوک سے بے حال یہ نوجوان اپنے ہی جیسے ایک پرولتاری کی بیوی سے آنکھیں چار کر لیتا ہے ـــ اپنی حقیقت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے تاکہ اپنا مقصد حاصل کر سکے۔ اس طرح ان کے تعلقات میں پختگی آجاتی ہے۔ ادھر بیوی کی مسلسل بے اعتنائی کے خیال سے اس غریب مزدور کی زندگی تنگ ہو جاتی ہے۔ جسکے نتیجے میں میاں بیوی میں کیڑے نکلنے لگتے ہیں۔ عزیز و اقارب میں نفرت کا جا پھیلنے لگتا ہے۔ اور ایک دن ایسا آتا ہے کہ اسٹامپ پر دو لفظ لکھ دیئے جاتے ہیں اور دو، زندگیاں ہمیشہ کے لئے الگ ہو جاتی ہیں۔ تعلقات مختصر سے رہ جاتے ہیں بیماریاں گھیر کر لیتی ہیں۔ ایک گھرانہ ذہنی بیماری، نوجوان مطلقہ اور اس کے لئے دوائیوں کے بوجھ تلے دب جاتا ہے۔

اب لڑکیوں کی باری ہے۔ جو کسی خیراتی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد۔ کسی اسکول کی ٹیچری کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ باپ کے پھیپھڑوں میں روئی کے ذرات جو اسکی سالہا سال کی محنت کا صلہ ہیں دمہ

کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ آمدنی محدود ہو گئی ہے۔ اسکی نوجوان لڑکیوں کے پھٹے برقع دیکھ کر خیراتی، سرکاری اور کاروباری تعلیمی اداروں کے چپراسی انھیں گیٹ سے ہی دھتکار دیتے ہیں اور پھر انھیں بھوک اور پھٹتی ہوئی جوانی ماں باپ سے بغاوت پر آمادہ کر دیتی ہے ـــ اور باپ کہہ اٹھتا ہے کہ بھائی اس مٹی میں ہی یہ اثر ہے کہ حیا اور محبت ختم ہو گئی ہے اور وہ آہستہ آہستہ عسرت و تنگدستی کی موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے۔ بوی سرمایہ داروں کی غلامی اور بچے ہوٹلوں کے بیرے کے فرائض انجام دینے لگتے ہیں یا تیل مالش اور بوٹ پالش کرتے پھرتے ہیں۔ اور پھر وہ ہمارے معاشرے کے گندے کیڑے بن جاتے ہیں، جواری۔ شرابی۔ چرسی اور چوری چکاری کرنے والے غیر فطری افعال سے معاشرے کو غلیظ کرنے والے۔ بردہ فروش۔ اسمگلر۔ ڈاکو ـ یہ سب ہمارے ہی ہیں۔ ہماری بھوک سے بدحال دنیا کے فرزند۔ ٹکے ٹکے میں اپنے جسم کا سودا کرنے والی یہ مرجھائی ہوئی زندہ لاشیں ہماری ہی بہو بیٹیاں ہیں ـــ گناہ کے بازار کی زینت بننے والی یہ حوا کی بیٹیاں جن سے ہم ہی اپنے جنسی جذبات کو تسکین دیتے ہیں ہمارے ہی گھر کی عفت و عصمت ہیں ـــ ہم اپنے ہی گھر کے ستون کی دیمک بن گئے ہیں ـــ اور یہ ہی سامراج کا مقصد ہے۔ کہ ہم اپنے مسائل زندگی میں اس درجہ الجھ جائیں کہ ان سرمایہ داروں کی تجوریوں میں بھری ہوئی ہماری محنت پر ہماری نظر نہ پڑ سکے۔ ہم اپنی عزتوں کو مٹی میں ملتے دیکھ کر موت کی دعائیں مانگتے مانگتے مر جائیں۔ ہمارے پیٹ کی آگ کبھی ٹھنڈی نہ ہو تاکہ ہم اس کے علاوہ کچھ اور نہ سوچ سکیں۔

....

اور جب ہم یہ سوچنے لگیں گے کہ دنیا کا ہر انسان عزت و آسودگی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق رکھتا ہے۔ تو ہماری نگاہیں ان جراثیم کی کرید کریں گی جن کی وجہ سے یہ مدقوق چہرے۔ یہ مرجھائی ہوئی جوانیاں۔ اور بازاروں میں چلتی پھرتی لاشیں ہمیں نظر آتی ہیں ـــ اور ایک قدم آگے بڑھ کر ہم ان بدحال پرولتاریوں کو آواز دیں گے۔ ان کسانوں کو پکاریں گے جو دھرتی کا سینہ چیر کر پیٹ کا ایندھن مہیا کرتے ہیں۔ ان مل مزدوروں کو بلائیں گے جو اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا تیار کرنے کے باوجود اپنی جوان بیٹی کے لئے خاطر خواہ لباس نہیں بنا سکتے اور اسی قبیل کے لاکھوں پرولتاری جب متوجہ ہو جائیں گے تو فضاؤں میں ایک بازگشت گونجے گی ـ کہ ـ یہ وطن ہمارا ہے۔ ہم اس کے مالک ہیں۔ ہم اس لئے محنت نہیں کرتے کہ ایک ایک دانے کو ترسیں! ہم اس لئے مشینیں نہیں چلاتے کہ ہمارے بچے جاہل رہ کر سرمایہ داروں کے برتن مانجھیں! ہم اس لئے محنت نہیں کرتے کہ اپنی نوجوان شریک زندگی کے لئے معمولی سی جوڑی بھی خرید کر نہ دے سکیں! ہم اس لئے پسینہ نہیں بہاتے کہ سسک سسک کر مر جائیں!

ـــ ہم اس لئے محنت کرتے ہیں کہ ہم اور ہمارے تمام اہل و عیال زندگی کی مسرتیں حاصل کریں ـــ!!

اور پھر ایک بحرِ ذخار سرمایہ داروں کی ان تجوریوں کی طرف بڑھے گا۔ جو انھوں نے صدیوں سے پرولتاریوں کے سرخ اور گاڑھے لہو سے بھر رکھی ہیں ان عیار سامراجیوں کی جانب بڑھے گا جنھوں نے بھوک سے بدحال کر کے ہمیں اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹنے پر مجبور کیا۔ اپنی ہی بہو بیٹیوں کی عزت لوٹنے کی طرف مائل کیا۔ ہمیں خود سے اتنا بیگانہ کر دیا کہ ہم اپنے آپ کو حقیر و فقیر تصور کرنے لگے۔ ہمارے کان بہرے کر دیئے کہ ہم اپنے ہمدردوں کی آواز نہ سن سکیں ـــ اور ـــ برگزیدہ بندے بن کر ہم سے کہتے رہے کہ یہ ہی مشیت ایزدی ہے۔ تم اسی لئے پیدا ہوئے ہو کہ ہمارے عیش کا سامان بنو۔ تمہاری نوجوان کومل کلیاں ہماری جنسی تشنگی کو بجھائیں۔ بس یہی ہے تمہاری اوقات۔!

لیکن جب یہ جم غفیر۔ یہ بدحال پرولتاریوں کا سمندر اپنا چسا ہوا خون واپس لینے کے لئے ان کی طرف بڑھے گا تو ہم دیکھیں گے کہ انھیں رونے اور فاتحہ پڑھنے کو بھی مزدور نہیں ملیں گے۔

اور پھر!

دنیا میں انقلاب آجائے گا ـ سکون پرور انقلاب۔! تھوڑی دیر کے لئے وقت کے قدم رک جائیں گے۔ اور پھر خراماں خراماں۔ اس منزل کی جانب بڑھیں گے جہاں آسودگی ہو گی۔ محبت ہو گی۔ کوئی کسی کو بیگانہ نہیں کہے گا۔!

مگر ـ!

یہ سب خیال خام ہے۔!

کیوں؟

اس لئے کہ جب تک ہم ایک نہ ہوں۔ ایک ذہن سے نہ سوچیں ایک آرزو نہ رکھیں۔ خود کو درست نہ کریں۔ جب تک یہ خیال خام ہی تو ہے!!

یہ تو تب ہو گا جبکہ

ہم ایک ہو جائیں ؎

از: آر کے
مترجم صبا اکرام (ہزاری باغوی)

بھروسہ

دھندلے کمرے میں چھوٹا سا تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ جوزنے کچھ بڑبڑاتے ہوئے ایک گرد آلود قمیض اپنے جسم پر چڑھائی اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

"ایک کتے کی بھی یہ حالت نہیں ہوتی"۔ اس نے یکایک گرج کر کہا۔

اس کی بیوی میریا ایک کونے میں ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیزار سے بیٹھی تھی۔ اس کے سینے سے لپٹا ہوا ننھا سا بچہ بلکنے لگا۔ اور دوسرے بچے بھی جو زمین پر ننگے سوئے ہوئے تھے جاگ اٹھے اور رونے لگے۔

"چپ رہو ورنہ گلا گھونٹ دونگا!" جوزنے چیخ کر کہا۔

"کیوں بچوں کو خائف کرتے ہو جی!" میریا نے اسے سمجھایا۔

"خاموش رہ موٹی سوئر۔ تو کہیں جاکر آیا کی نوکری کیوں نہیں کرلیتی۔" جوز آنکھیں نکال کر چیخا۔

"پھر ہمارے بچوں کو کون دیکھا؟" میریا مغموم آواز میں بولی۔

جوزنے اپنا پرانا پیوند لگا ہوا پینٹ پہن لیا اور ایک ٹوٹے ہوئے ٹین کے بکس پر بیٹھ کر دھویں سے کالی دیوار سے ٹیک لگاکر بیٹھ گیا۔

"بے شرم عورت! تو ہی بتا کیا میں خالی پیٹ کام پر جاؤں گا" اس نے اپنی بیوی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ ضرور کوئی انتظام کر دیگا!" میریا آہستہ سے بولی۔

جوزنے برا سا منہ بنایا اور اپنے پھٹے ہوئے جوتوں کو تلاش کرنے لگا۔ اس کے لئے زندگی ایک سزا بن کر رہ گئی تھی۔ جب ان کے لئے جن کے پاس دولت کا ذخیرہ ہے ہر چیز کا حصول دشوار رہے۔ جوز تو ایک غریب شخص تھا۔ جو دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے ہی مہیا کر پاتا تھا۔ اور پھر اس کے غموں میں اضافہ کرنے کے لئے ایک بیوی بھی تو تھی۔ جو ہر وقت اٹھتے بیٹھتے یہی کہتی کہ "خدا پر بھروسہ رکھو"۔

باہر سڑکوں پر روشنی پھیلنے لگی تھی۔ اور رات کا دھندلکا مٹنے لگا تھا۔

سڑک کے اس پار دولت مند ہڈسن کی چار منزلہ کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں برقی لیمپ کی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ ابھی ابھی کہیں باہر سے آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اسکی بیوی صوفے پر بیٹھی کوئی ناول پڑھ رہی ہے۔

"ہیلو! ڈارلنگ!" اس نے بڑے پیار سے اپنی بیوی کو مخاطب کیا۔!

اسکی بیوی نے ناول کو ایک طرف اٹھاکر پھینک دیا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جسم پر شب خوابی کا قیمتی لباس چمک رہا تھا۔ ہڈسن نے اپنا کوٹ اتار کر ریڈیوگرام پر ڈال دیا۔ اور اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پر اپنی بیوی کی بغل میں جا بیٹھا۔ چند منٹ تک دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر ہڈسن نے ہی خاموشی کا سلسلہ توڑا۔ اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"میں صبح اپنے ایک موکل کے ساتھ، ریستوران میں چلا گیا تھا۔ اور وہیں مجھے دیر ہو گئی"

"صبح میں؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کل صبح کی بات کر رہے ہو، مسٹر!" اسکی بیوی نے تنک کر کہا۔

ہڈسن نے ایک سگرٹ سلگائی اور ماچس کی تیلی کو بجھاکر کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے اپنی بیوی سے پوچھا۔

"تم نے کھانا کھالیا ڈارلنگ۔؟"

"ہاں۔ اور تمہارا کھانا ٹیبل پر رکھا رکھا ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اگر بھوک لگی ہے تو نکال کر کھالو۔ میں اسوقت کھانا گرم نہ کرونگی" اس کی بیوی بولی۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں ڈارلنگ۔ میں اسوقت کھانا نہیں کھاؤنگا" ہڈسن نے سگرٹ کو بجھاکر کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے تمہیں بھوک ہے کہ نہیں"۔ اسکی بیوی نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا اور کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں ڈارلنگ۔ میں نے آفس میں بہت زیادہ کھالیا تھا" اس نے کہا۔

اسکی بیوی ٹیبل پر جھکی اور کھانے کے برتنوں پر سے ایک ایک کرکے سبھی ڈھکن اٹھاتے ہوئے کڑک کر بولی۔

"یہ دیکھو تمہارے لئے دن بھر دائی کی طرح باورچی خانے میں پسینہ بہا بہاکر کھانا تیار کیا تھا۔ اور تم ہو کہ رات بھر نہ جانے کہاں آوارگی کرنے کے بعد اب گھر لوٹے ہو۔"

"مجھے کیا پتہ تھا ڈارلنگ کہ یکایک شہر میں کرفیو آرڈر نافذ ہو جائیگا" اس نے اپنی بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن اسکی بیوی نے اسکی ایک نہ سنی اور کھانے کی تمام چیزیں ٹیبل سے اٹھاکر کھڑکی سے باہر پھینک دیں۔

دوسری طرف جیسے ہی وہ چیزیں سڑک پر گریں جوز دوڑ کر اپنے گھر سے نکلا اور انھیں جمع کرنے لگا۔ اس نے مارے خوشی کے چیخ کر اپنی بیوی کو پکارا۔

"میریا۔ میریا! دیکھو کتنا کھانا ہے۔"

اسکی بیوی نے مسکراتے ہوئے جوز کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں نہ کہتی تھی خدا پر بھروسہ رکھو وہ ضرور کوئی انتظام کر دیگا۔"

یونس شرر

شام اور سائے

(طلبا تحریک کے نام)

اجنبی دیس کی اجنبی شام میں!
گھر سے نکلے ہیں ہم کس طرف جائیں گے
یا تو پتھر سے سر پھوڑ لیں گے کہیں
یا اندھیرے میں گھبرا کے مر جائیں گے

آج اپنی بصیرت کو کیا ہو گیا
جم گئے اشک اور دھڑکنیں ہو گئیں
خشک آنکھوں میں تو آج کچھ بھی نہیں
وہ امنگیں نہ جانے کہاں کھو گئیں

آج لے نور شمعیں اٹھائے ہوئے
زندگی کے ترانے سناتے چلو
اپنے ہونٹوں پہ آہوں کو آنے نہ دو
حکم یہ ہے کہ تم گیت گاتے چلو

آج پھولوں کا سر سے کفن باندھ کر
اور لے کر بہاروں کا رنگیں علم
زندگی سے گریزاں ہوئے اس قدر
قتل گاہوں کی جانب چلے آئے ہم

گریہ عالم رہا اجنبی شام کا!
شب کی تاروں بھری مانگ لٹ جائے گی
ایسی تاریکیوں میں بتائے کوئی
زندگی کس کے سائے سے ٹکرائے گی

چاند نکلے گا اب بھی اسی شان سے
چاندنی کن کے چہروں پہ برسائے گا
اب وہ چہرے نہ جانے کہاں چھپ گئے
اب کسے دیکھ کر چاند شرمائے گا

ہاں یہ سچ ہے کہ شام ستم آ گئی!
یہ بھی سچ ہے کہ یہ ہجر کی رات ہے
موت دو یا ہمیں زندگی بخش دو
آج لب پر یہی آخری بات ہے

منظوم خاکے — مظفر حنفی

تصویر کھینچتا ہوں

حضرت شاد عارفی (استاد مرحوم) آپ کی تعریف کے سلسلے میں ایک ہزار کردار کی عکاسی کرنا چاہتے تھے، افسوس کہ انکی عمر نے وفا نہ کی کوشش کر رہا ہوں یہ سل... جاری رہے

پہلی تصویر

آپ ہی کابل سے منگواتے تھے پھل
آپ کا درزی تھا دریا پور کا
عام لوگوں سے کبھی ملتے نہ تھے
عطر منگواتے تھے یہ قنوج سے
خانساماں اور بھی کچھ دور ک...
آپ ٹم ٹم کے سوا چلتے نہ...
انقلاب وقت کی اک موج...
چاٹ چھولے بیچتے ہیں آج کل
آپ ہی کابل سے منگواتے تھے پھل

دوسری تصویر

چند جملے آپ کی تعریف میں
تھے کبھی افسر محکمہ مال میں
آپ غصے کے نہایت تیز تھے
رشوتوں پر فائلیں تیار کر !
ایک بلڈنگ تان لی دو سال...
یوں سمجھئے فطرتاً انگریز...
آپ نے وہ گل کھلائے ال...
وائے قسمت آ گئے تخفیف میں
چند جملے آپ کی تعریف میں

تیسری تصویر

ان سے ملئے کوتوال شہر ہیں
چور اچکے آپ سے خوش ہیں سبھی
جرم ایسا ہو نہیں سکتا یہاں
شہر کا ان کو کچھ اندیشہ نہیں
رشوتوں سے منہ نہیں موڑا ک...
جو نہ ہو پہلے سے حضرت پر عیا...
امن پرور آپ کا پیشہ نہ...
شہر کے حق میں خدا کا قہر ہیں !
ان سے ملئے کوتوال شہر ہیں

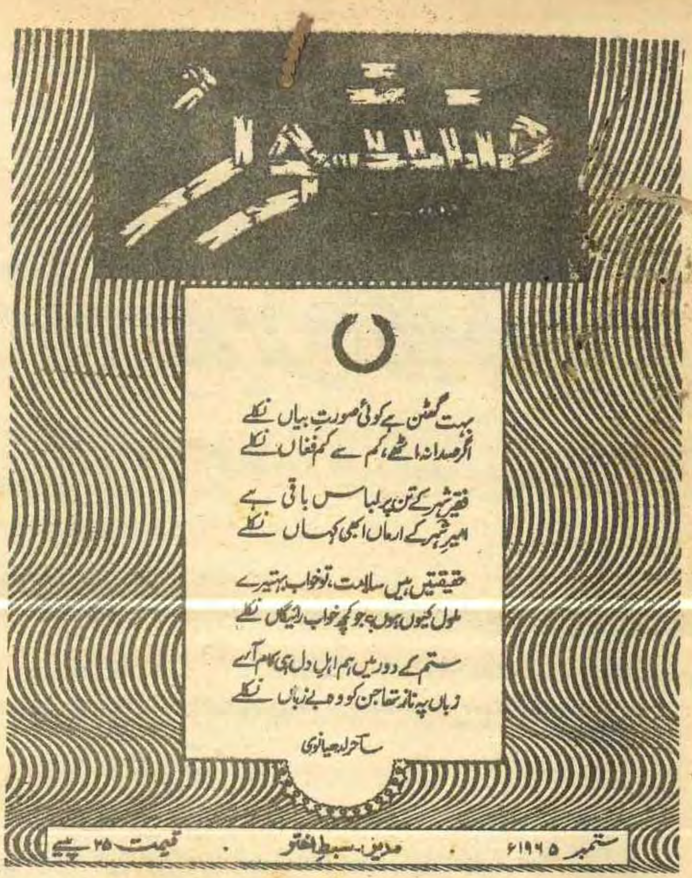
چوتھی تصویر

ہر طرف سے رہبر ملت ہیں آپ
دیکھئے ووٹوں کی قیمت سوچئے
پانچ سالوں میں کمائے لو کروڑ
قوم کا غم آپ سے منسوب ہے
ہار نے کی بات ہی مت سو...
ختم ہیں ان پر سیاسی جوڑ ت...
کیونکہ اس میں فائدہ بھی خوب...
مخلصانِ قوم کی علت ہیں آپ
ہر طرف سے رہبر ملت ہیں آپ

پانچویں تصویر

آپ تو پہچانتے ہوں گے انھیں
یہ کبھی تھے شہر کے نامی رئیس
ذائقہ افلاس کا چکھا نہ تھا
لٹ چکے ہیں حسن کے بازار میں
بلڈنگیں تھیں آپ کی پچیس تیس...
ٹھوس دھرتی پر قدم رکھا نہ ت...
اور کچھ سٹے کے کاروبار...
شہر میں سب جانتے ہونگے انھیں
آپ تو پہچانتے ہوں گے انھیں

لوگ کہتے ہیں



مکرمی مدیر صاحب تسلیمات!

اس ماہ کا منشور بھی اپنی روایات کی طرح حسین اور دلکش تھا۔ اداریہ اور اے وطن بہت پسند آئے۔ خصوصاً " اے وطن" کا ذکر میں کرنا چاہتی ہوں کیونکہ اس مسئلہ پر ہم طلبا و طالبات سے متعلق آپ نے جتنے موثر انداز میں روشنی ڈالی ہے اسکی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اور خصوصاً اس دور میں جبکہ ہر شخص سچی بات کہتے ہوئے خوف کھاتا ہے۔

آپ نے داخلے کے مسئلہ کو لیا ہے لیکن ایک مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ نجی اداروں میں داخلے کے بعد ہم بے چاروں پر کیا گزرتی ہے نہ درسگاہوں میں اچھی ٹیچرس ہیں اور نہ کھیل کا کوئی معقول انتظام ہے ریڈیو پروگرام سنوانے کا بہتر بندوبست نہیں ہے۔ حالانکہ ریڈیو سیٹ موجود ہے اور ہیڈ مسٹریس صاحبہ خود ہی فرمائش سنتی رہتی ہیں۔

معمولی معمولی باتوں پر فائن لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی لڑکی بیج نہ لگا کر آئے تو چار آنے فائن اور دیر سے آنے پر بھی چار آنے۔ غرض کہ بغیر چار آنے کے تو کام ہی نہیں چلتا۔ اگر احتجاجاً لڑکیاں ٹیچر سے کچھ کہتی بھی ہیں تو نام کاٹنے کی دھمکی دیدی جاتی ہے۔ اور اگر اسکول میں کسی طالبہ کی اچانک طبیعت خراب ہو جائے تو ڈسپنسری اور ڈاکٹر ہونے کے باوجود گھر بھیج دیا جاتا ہے۔

سب سے اہم مسئلہ ٹیچرس کا ہے جس کی وجہ سے ہر سال کثیر تعداد میں لڑکیاں فیل ہوتی ہیں۔ کسی سال بھی پورا کورس نہیں پڑھایا گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ میک اپ سے لیپی پتی ٹیچرس کلاس میں آئیں اور گئیں پورے سال میں صرف چھ یا سات سبق پڑھائے جاتے ہیں۔ جب ٹیچرس سمجھاتی ہیں تو زیادہ توجہ امیر لڑکیوں پر دیتی ہیں۔ حالانکہ ٹیچرس کو اس فرق کو ختم کر دینا چاہیئے۔ حالانکہ یہی لڑکیاں پڑھنے سے جی چراتی ہیں۔ پڑھنے میں کمزور ہوتی ہیں مگر پھر بھی امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتی ہیں۔ بیچاری غریب لڑکیاں محنت کر کے جب باہر آتی ہیں تو چہرے پر ہوائیاں اڑتی نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اچھے نمبر..... یہ بات اب تک کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔

کھیل کود کا مکمل سامان ہوتے ہوئے بھی کھیلنا ممنوع ہے کیا پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیلنا ضروری نہیں۔

(کنیز مینا)

مدیر محترم!

میں آپ کی اس رائے سے متفق ہوں کہ لوگ کہتے ہیں میں "توصیف نامے" شائع نہ کئے جائیں اور ساتھ ساتھ اس بات پر حیران بھی ہوں کہ آپ آخر کس ظرف کے مالک ہیں کہ اگر لوگ صدق دل سے آپ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی آپ کو پسند نہیں۔ عجیب لوگ ہیں آپ لوگ بھی بہر حال اس نقطہ سے قطع نظر میں آپ کی توجہ "عکس و تصور" کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ منشور کے صفحات عرصے سے مصور اور عکاس کی تخلیقات سے محروم ہیں آخر کیوں؟

(ایم اے خالق۔ لانڈھی)

مدیر محترم السلام علیکم!

آپ سے ایک التماس ہے کہ منشور میں پاکستان کی معاشیات پر اعداد و شمار اور ٹھوس تفصیلات کو سمیٹنے والے مضامین شائع کئے جائیں یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں متعلقہ افراد کا تعاون بڑی دقت سے حاصل ہوگا۔ بہر طور آپ نے جہاں ذہنی بیداری کی ہمہ گیر مہم شروع کر رکھی ہے وہاں اس سلسلے میں بھی پیش آنے والی مشکلات کو حل کر لیجئے۔ پیشگی شکریہ!

(منظور الہٰی۔ ڈرگ کالونی کراچی)

قابل قدر مدیر گرامی!

آپ برا نہ مانئے گا۔ آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ بات ذرا ایسی ہے کہ لوگ چونکیں گے۔ مگر میں بھی مجبور ہوں کہ دل کی بات کہہ ہی ڈالوں بات یہ ہے کہ منشور کے اہل قلم سرمایہ داری اور سامراج کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں جو اپنی جگہ ایک بہت بڑا فریضہ ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ آج سرمایہ داری ہماری ترقی میں اتنی بڑی رکاوٹ ہرگز نہیں کہ ہم "جاگیر داری" کی لعنت کو بھلا بیٹھیں۔ جاگیر داروں نے ہماری آبادی کے کم و بیش اسی فیصد افراد کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اور فرسودہ نظام معیشت دور حاضر کی بدترین لعنت ہے۔ کیونکہ سامراج کو بھی اسی طبقے میں اپنے نمکخوار ملا کرتے ہیں۔ سرمایہ داروں کو تو تاریخی ارتقا کے تحت اپنے مفادات کے لئے کسی نہ کسی حد تک سامراج سے تھوڑی بہت ٹکر لینی ہی پڑتی ہے۔ مگر جاگیر دار تو ہوتے ہی سامراج کے پروردہ ہیں۔ لہٰذا اگر سامراج کو ملک بدر کرنا ہے تو ذرا "نظر کرم" جاگیر داروں پر بھی رکھیئے

(حبیب سجاد رضویہ کالونی کراچی)

خبر نامہ

ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کا جلسہ عام

نور خاں صاحب کو طلائی مونوگرام پیش کیا گیا

ایرویز ایمپلائز یونین، پی آئی اے برانچ کی مجلس عاملہ نے اپنے ایک جلسہ میں، یہ متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ پی آئی اے کے منیجنگ ڈائرکٹر ایر وائس مارشل نور خاں کی رخصت پر انھیں یونین کی طرف سے ایک الوداعی جلسہ میں مدعو کر کے یونین کا طلائی مونوگرام پیش کیا جائے۔ آجر و مزدور کے تعلقات کی تاریخ میں عام طور پر تو ایسا ہوا نہیں کرتا۔ مگر پی آئی اے کے مخصوص حالات اس فیصلے کے متقاضی تھے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کر کے اس تقاضے کو پورا کیا گیا۔

یہ فیصلہ دراصل اس بات کا آئینہ دار تھا کہ نور خاں صاحب حالانکہ فضائی افواج سے تعلق رکھتے تھے، ملک میں موجودہ صنعت کاروں کے نمائندے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے پی آئی اے کے محنت کشوں کے ساتھ معقول رویہ اختیار کیا۔ ایک ایسی جگہ جہاں ماضی میں مزدور اپنی نمائندہ یونین کی قیادت میں انتظامیہ سے زبردست جھڑپوں پر مجبور کئے گئے ہوں۔ جہاں نوکر شاہی اپنے پورے عروج پر ہو۔ جہاں مزدور انجمن بنانا جرم ہو۔ جہاں یونین کا نمائندہ بننا جرم بن جاتا ہو۔ وہاں نور خاں صاحب جیسی شخصیت بے شک انفرادیت کی حامل بن جاتی ہے۔ اور اس منفرد شخصیت کی وجہ سے قائم ہونے والے تعلقات مثالی تعلقات قرار پاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ راوی اس تمام عرصے میں چین ہی چین لکھتا رہا ہے۔ نور خاں صاحب نے یونین سے تعاون کیا اور اختلاف بھی ۔ اسی طرح یونین نے بھی اپنے مقاصد کے تحت ان سے تعاون کا بھی رویہ اور اختلاف کا بھی رویہ اور برتاؤ اختیار کیا۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ فریقین کی غیر معمولی حکمت عملیوں کی وجہ سے صورتحال کبھی بگڑنے نہیں پائی۔ حالانکہ ایسے مواقع بھی آئے جب ذرا سی بھی کمی بیشی سے یہ مثالی تعاون بدترین جھگڑے کی شکل میں تبدیل ہو سکتا تھا۔

یونین کے کارکنوں اور رہنماؤں نے یہ حکمت عملی اختیار کر کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جو لوگ مزدور انجمنوں سے معقول سلوک کرتے ہیں مزدور انجمنیں بھی ان سے معقول حد تک تعاون کرتی ہیں۔ اور یہ فیصلہ ان لوگوں کو بھی آئینہ دکھاتا ہے جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مزدور تو بلاوجہ لڑتے جھگڑتے ہیں۔ وہ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم بلاوجہ نہیں جھگڑتے بلکہ اپنے حق کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور اگر ہم سے تعاون کیا جائے تو ہم مزدور تعاون کرتے ہیں کبھی کسی ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

۱۵ جولائی کو یہ تاریخی تقریب وائیکاونٹ ہنگر میں دن کے دو بجے منعقد ہوئی۔ ملازمین سے پورا ہنگر بھرا ہوا تھا اور کرسیوں کی تعداد ناکافی ہونے کی وجہ سے سیکڑوں افراد کھڑے ہوئے تھے۔ اس تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جنرل سیکریٹری جناب الطاف حسین نے یونین کے صدر جناب طفیل عباس کو ڈائس پر آنے کی دعوت دی۔

طفیل صاحب کی تقریر کا لب و لہجہ حسب ذیل تھا۔

ساتھیو!

ہم نے

ایک عرصہ پہلے ایک نعرہ بلند کیا تھا۔ "امن آزادی انصاف"۔ یہ نعرہ ملک بھر میں پھیل چکا ہے۔ اور مزدوروں میں مقبولیت حاصل کر چکا ہے

ہم صرف نعرے

ہی بلند نہیں کرتے۔ بلکہ ان نعروں کو پھیلانے، بچانے اور بلند رکھنے کے لئے خون اور جانیں بھی دیتے ہیں اور آج تو ہم یہ منظر دکھا رہے ہیں کہ ہم خون بھی دیتے ہیں اور "سونا" بھی۔ ہم دونوں دے سکتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ہمارے نعروں کا جواب ہمیں کس صورت میں دیا جاتا ہے۔ ہم صرف لڑتے ہی نہیں تعاون کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں۔

پی آئی اے میں موجودہ مخصوص حالات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے حقیقت یہ ہے کہ ۵۹ء میں جب نور خاں صاحب آئے تھے تو ملک میں مارشل لا رنافذ تھا۔ ملک کی مزدور تحریک کو کچلنے کے لئے تمام مزدور یونینوں میں تالے لگا دیئے گئے تھے۔ پی آئی اے یونین بھی کچھ عرصہ تک معطل رہی۔ مگر انھیں حالات میں انھوں نے یہاں آکر ہم سے گفتگو کی اور یہ تسلیم کیا کہ ہماری یونین کی سرگرمیاں کسی طرح بھی پاکستان کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں۔ انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ہماری جدوجہد ہمارے حقوق کے حصول کے لئے ہے اور پھر انھوں نے وہ رویہ اختیار کیا جو معقولیت اور حقیقت پسندی پر مبنی تھا۔ گذشتہ پانچ سال میں ہم نے ان سے اور انھوں نے ہم سے بہت کچھ سیکھا ہے یہ پہلا موقع ہے کہ کسی سرمایہ دار کے نمائندے کو سونے کا مونوگرام پیش کیا جا رہا ہے ایسا کرنے میں یہ حقیقت ہمارے پیش نظر ہے کہ غیر ملکی لٹیروں یعنی امریکہ وغیرہ کا مقابلہ کرنے میں یہ لوگ بھی ایک نہ ایک حد تک ساتھ آئیں گے ۔ ہم تو لڑتے ہی امن آزادی اور انصاف کے لئے ہیں اور اس لڑائی میں جو بھی اور جتنی دیر کیلئے بھی ہمارے ساتھ رہے ہم اسے اپنے ساتھ رکھیں گے ۔ ہم پر طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں ۔ لیبر ڈپارٹمنٹ ہمارا ساتھ نہیں دیتا۔ ہم نے ان تمام باتوں کا مقابلہ کیا اور اپنی لڑائی جاری رکھتے ہوئے پی آئی اے کو ترقی دینے میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ آج پی آئی اے کی سروسیں چین روس اور قاہرہ کے نئے راستوں پر چلنے لگی ہیں۔ ان سروسوں کی بڑی اہمیت ہے

ہندوستان امریکہ کی مدد سے چھوٹے ممالک اور پاکستان کو دبانا چاہتا ہے۔ سامراجی ملکوں کے ہتھکنڈے پاکستان کو ختم نہیں کر سکتے۔ ہم ہر دباؤ کا مقابلہ کریں گے۔ اور اپنی معاشی آزادی قائم رکھنے کے لئے ایسا جواب دیں گے کہ سرمایہ دار ملکوں کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔ مگر اس کے لئے بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے قومی سرمایہ دار کو ہمارا ساتھ دینا پڑے گا۔ نور خاں صاحب نے اس مسئلہ کو اپنی پوری سنجیدگی سے سمجھا ہے۔ چین روس اور قاہرہ تک پی آئی اے کی سروس پھیلا دینے سے ہمارے بین الاقوامی تعلقات پر گہرا اثر پڑا ہے اور اب جنوب مشرقی ایشیا سے افریقہ تک ایک سلسلہ قائم ہو گیا ہے۔ جہاں ہمیں اس صورت حال پر خوشی ہے وہیں ہمیں اس بات کا افسوس بھی ہے کہ لیبر ڈیپارٹمنٹ اور دوسرے لوگ اس صورت حال کو نہیں سمجھ پاتے۔ وہ آئے دن نت نئے الزامات تراشتے ہیں کاش وہ یہ سمجھتے کہ ہم کیا چاہتے ہیں وہ کم از کم اس نظر سے ہی دیکھیں جس نظر سے نور خاں صاحب نے ہمارے مسائل کو دیکھا ہے۔ کیا ہم وہ بات نہ کہیں جو ہمارے دل میں ہے ملک بھر میں مزدوروں اور عوام کی حالت نازک ہے کوئی ان کی مشکلات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ صنعت کار مزدوروں کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے عالم میں نور خاں صاحب نے صنعتی امن قائم رکھنے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا اور یہ سب کچھ اس حقیقت کا عملی اعتراف ہے۔ یہ کہتے کہتے طفیل صاحب کچھ دیر کے لئے رکے۔ اور پھر انھوں نے کہا۔ حالانکہ یہ کوئی موقع ہے نہ دستور پھر بھی میں نور خاں صاحب سے درخواست کرونگا کہ پی آئی اے کے محنت کشوں کے ان مسائل پر روشنی ڈالیں جو ہم نے ان کے سامنے رکھے تھے اور جو ابھی تک حل طلب ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ طفیل عباس صاحب نے طلائی نشان نور خاں صاحب کو پیش کرنے کا اعلان کیا۔ یونین کے جنرل سیکریٹری الطاف حسین صاحب نے اٹھ کر خوبصورت اور باوقار بیلیکا نور خاں صاحب کی طرف بڑھا۔ جسے موصوف نے قبول کرتے ہوئے مائیک کی طرف قدم بڑھائے — اپنی تقریر میں انھوں نے طفیل عباس اور تمام مزدوروں کا شکریہ ادا کیا اور فرائض کی بحسن وخوبی بجا آوری پر عملے کی تعریف کی۔ انھوں نے پی آئی اے کی اہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے اسے مشرقی اور مغربی پاکستان کو ملانے والی ایک کڑی قرار دیا۔ انھوں نے کہا اگر آپ نظم وضبط کا موجودہ معیار برقرار رکھیں تو نہ صرف اس ادارے کو مضبوط بنائیں گے بلکہ ملک کے دوسرے اداروں کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کریں گے۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ پی آئی اے میں محنت کشوں کا نظم وضبط اعلیٰ اور مثالی ہے اور انتظامیہ سے ان کے تعلقات قابل تعریف ہے۔ ×

داؤد پلاسٹک کے مزدوروں نے صنعتی عدالت میں مقدمہ داخل کر دیا

کراچی (نمائندہ منشور) داؤد پلاسٹک ورکس کے مزدوروں کے منتخبہ پانچ نمائندوں نے صنعتی عدالت میں اپنا مقدمہ داخل کر دیا ہے مزدور نمائندوں کی جانب سے ۷ ستمبر اسٹیٹمنٹ آف کلیم داخل کرنے کی تاریخ لی ہے واضح ہو کہ ۱۳ مئی کو گیارہ مطالبات پر مشتمل اسٹرائیک نوٹس دیا تھا مطالبات میں بونس، چھٹیاں، وردی اور کم از کم تین روپے یومیہ مزدوروں کے مطالبات شامل ہیں۔ منتظمین اور مزدوروں کے نمائندوں کی مشترکہ میٹنگ جو اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیر جناب چودھری محمد حسین صاحب کے اجلاس میں بالترتیب ۱۱ مئی اور ۱۹ جون کو ہوئی کوئی فیصلہ نہ ہونے کی بنا پر فیلیور سرٹیفکٹ جاری کر دیا گیا۔

کراچی میں ٹراموے کمپنی کے ملازمین کی ہڑتال۔

کراچی ۱۸ اگست (نمائندہ منشور) آج کراچی میں ٹراموے کمپنی کے ۵ سو ملازمین نے اچانک ہڑتال کر دی جسکے سبب شہریوں کو شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ملازمین نے ہڑتال کا سبب بیان کرتے ہوئے بتایا کہ یونین کے صدر مسٹر نیاز احمد فاروقی ملازمین کے مطالبات کے سلسلے میں آج کمپنی کے مالک سے بات چیت کرنے گئے ہوئے تھے اور بات چیت کے دوران مالک نے مشتعل ہو کر یونین کے صدر سے بد کلامی کی چنانچہ تمام ملازمین نے احتجاجاً صبح ½۹ بجے ہڑتال کر دی اور شہر میں چلنے والی ٹرامیں جن کی تعداد ۶۰ کے قریب ہے گیرج میں لا کر کھڑی کر دی گئیں ٹرامیں بند ہونے سے بولٹن مارکیٹ سے صدر گاندھی گارڈن اور چاکیواڑہ اور سولجر بازار کے روٹ پر سفر کرنے والوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور دن بھر بس اسٹاپوں پر زبردست ہجوم رہا یونین کے صدر کے بیان کے مطابق ملازمین کے مطالبات ایک طویل مدت سے التوا میں پڑے ہوئے ہیں اور منتظمین ہر موقع پر ٹال مٹول کر جاتے ہیں اور اس سلسلے میں آج بھی ان سے بات چیت کرنے کی کوشش کی گئی۔ جو انتہائی ناخوشگوار ماحول میں ہوئی جس کا نتیجہ ہڑتال کی صورت میں ظاہر ہوا دریں اثنا ہڑتال کی اطلاع پاکر اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیر چودھری محمد حسین موقع پر پہنچ گئے اور ان کی کوششوں سے ملازمین اور انتظامیہ میں مصالحت ہو گئی اور اس طرح ۹ گھنٹے بعد شام کو ½۶ بجے ہڑتال ختم کر دی گئی۔

جی این کورنگی ورکس۔

کورنگی۔ معلوم ہوا ہے کہ جی این کورنگی ورکس میں ۷ مزدوروں کو اس الزام میں کہ انھوں نے ۱۷ اگست کو ۹ بجے ہڑتال کی تھی۔ منتظمین نے ایک چارج شیٹ جاری کر دی ہے۔ جن لوگوں کو چارج شیٹ جاری کی گئی ہے ان میں یونین کے صدر مسٹر علی امام مجلس عاملہ کے ایک ممبر مسٹر عرفان اور دیگر سرگرم کارکن بھی شامل ہیں اس غلط اور بے بنیاد الزام پر منتظمین تحقیقات بھی کر رہے ہیں جس کے سلسلے میں یونین کی طرف سے شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ نیز اس صورت حال سے ورکرس میں شدید اشتعال پایا جاتا ہے۔ یونین کے سیکریٹری مسٹر ابن ایوب نے ہمارے نمائندے کو بتایا کہ منتظمین کیونکہ عمدہ شرائط غیر قانونی طریقہ پر مزدوروں سے منوانا چاہتے تھے۔ ان کے انکار پر منتظمین نے یہ ڈرامہ اسٹیج کیا ہے۔ یونین نے متعلقہ افسران سے مداخلت کی درخواست کی ہے اور اس سلسلے میں منتظمین نے جو تحقیقات شروع کی ہے اس کے خلاف تمام ورکرز نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کالے بلے لگائیں گے جن پر لکھا ہوگا "انکواری ختم کرو"۔

سنگر انڈسٹریز کے صنعتی تنازعے میں معاہدہ ہونے کا امکان

لانڈھی۔ معلوم ہوا ہے کہ سنگر انڈسٹریز پاکستان لمیٹڈ کا جو مشہور صنعتی تنازعہ تھا اب فیصلہ کے مراحل طے کر رہا ہے۔ یہ تنازعہ اس وقت شروع ہوا تھا جبکہ مارچ ۶۵ء میں مزدوروں نے یونین کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اپنے مطالبے کمپنی کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کمپنی نے بعض وجوہات کی بنا پر اور عام قاعدے کے مطابق "۴۳ مزدوروں" یونین کے عہدیداروں، سرگرم کارکنوں کو معطل کر دیا تھا۔ چنانچہ معاملہ صنعتی عدالت تک پہنچ گیا۔ معاملات ابھی زیر سماعت تھے کہ فریقین میں بات چیت شروع ہو گئی۔ جو کافی حد تک کامیاب رہی صرف دو ایک باتوں پر آخری فیصلہ ہونا باقی ہے امید کیجاتی ہے کہ یہ تنازعہ کسی باعزت معاہدہ پر جا کر ختم ہو جائے گا اور مزدوروں کو بھی فائدہ پہنچے گا اور منتظمین بھی مطمئن ہو سکیں گے۔

پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ پریس کے مزدوروں کا سالانہ جلسہ عام

سالانہ انتخابات





(نمائندہ منشور) ۳۱ جولائی کو پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ پریس کے مزدوروں کا سالانہ جلسہ عام منعقد ہوا ۔ اس شاندار جلسہ عام میں مزدوروں نے یونین کے حسابات کی منظوری دی ــــ اسکی کارروائیوں کی توثیق کی اور نئے عہدیداروں کا انتخاب کیا ۔

جلسے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد الیکشن کمیٹی کے چیرمین جناب عبدالمجید مائیک پر آئے ۔

جدوجہد پر روشنی ڈال رہے تھے اور اس کردار کی وضاحت کر رہے تھے جو اس یونین نے مزدور تحریک کے لئے ادا کیا ۔

چیرمین الیکشن کمیٹی کے بعد یونین کے جنرل سیکریٹری جناب حسن رضا آگے بڑھے حسن کا مزدوروں نے پرجوش تالیوں سے استقبال کیا ۔ انھوں نے سالانہ رپورٹ جلسہ عام کے سامنے پیش کی ۔



عبدالمجید ۔ چیرمین الیکشن کمیٹی



حسن رضا ۔ ۲۰ ماہ کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کر رہے ہیں

" رفیقو اور ساتھیو ــ " جناب عبدالمجید کی آواز پرسکون مجمع میں گونج رہی تھی ۔

" الیکشن کمیٹی کی تشکیل بلاشبہ ایک اہم کارنامہ ہے ۔ جسے مزدور ہی سرانجام دے سکتے ہیں ۔ جنھیں تنظیمی شعور ہو ۔ اپنے مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت ہو اور جو اپنی تنظیم سے اسی شدت کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہیں جس شدت سے انھیں اپنے مسائل کا احساس ہے ۔"

جناب عبدالمجید پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ پریس کے مزدوروں کی

" ۲۰ ماہ کی کارگزاریاں رپورٹ کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں ۔ اس جدوجہد میں آپ اور آپ کے بےباک ساتھی ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور آپکی مدد سے وہ تمام حربے ناکام ہو کر رہے جو انتظامیہ ، اس کے حاشیہ برداروں اور پولیس نے استعمال کئے اور محنت کشوں کی جرات مندی بہادی ۔ اتحاد اور تنظیمی شعور نے پاکستان کی مزدور تحریک ــ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے ۔"

فرش پر بیٹھے ہوئے مزدوروں کے چہرے خوشی سے دمک رہے



محمد یامین

تھے۔ کیونکہ یہ انکی اپنی جدوجہد کی داستان تھی۔ یہ اس جنگ کی داستان تھی جس میں انھوں نے بھی ایک اہم کردار انجام دیا تھا۔

اب یونین کے سیکریٹری سال گزشتہ میں پیش آنے والے جھگڑوں پر روشنی ڈال رہے تھے کہ کس طرح انتظامیہ نے ہڑتال کا نوٹس دیئے جانے پر مزدوروں کے اتحاد کو توڑنے کی کوشش کی، کس طرح بلاوجہ کی قانونی موشگافیوں میں الجھایا۔ غنڈہ گردی کی گئی۔ اخلاقی جرائم میں پھنسانے کی سازشیں ہوئیں لیکن متحد مزدوروں نے اس کا پامردی سے مقابلہ کیا۔

"میری اپنی رائے ہے کہ یونین پر گزشتہ ڈیڑھ سال میں جس قدر حملے ہوئے اگر یونین کی حیثیت سیسہ پلائی دیوار کی طرح نہ ہوتی تو اس کا وجود پاش پاش ہوجاتا۔ یا اس پر ایسے افراد قبضہ کرلیتے جو یونین کو کارپوریشن کے ہر حکم کی تابع اور لونڈی بنادینا چاہتے ہیں۔

پاکستان سیکوریٹی پرنٹنگ پریس کی یونین نے اپنے اراکین کیلئے جدوجہد کے ساتھ ساتھ کراچی اور مغربی پاکستان کی مزدور تحریک سے گہرا رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ اور اس میں اپنا قابل فخر کردار ادا کیا ہے۔ جسکے نتیجے میں آج بھی محمد یامین پر مختلف مقدمات چل رہے ہیں۔ اور اسی جرم کی پاداش میں انھیں سلاخوں کے پیچھے بھی جانا پڑا۔ اور اس مقدس جدوجہد کے لئے ہر ساتھی اس عرصے سے گزرنے کے لئے تیار ہے۔



اجتماع کا ایک منظر



زین الدین خازن ۔ جو دوبارہ بلا مقابلہ منتخب ہوئے



ریاض محمد عباسی

رپورٹ کے بعد سالانہ حسابات پیش کئے گئے ۔ اس کے بعد پاکستان پرنٹنگ کے رہنما جناب محمد یامین مائیک پر آئے ۔ مزدوروں نے پرجوش نعروں اور تالیوں سے ان کا استقبال کیا ۔

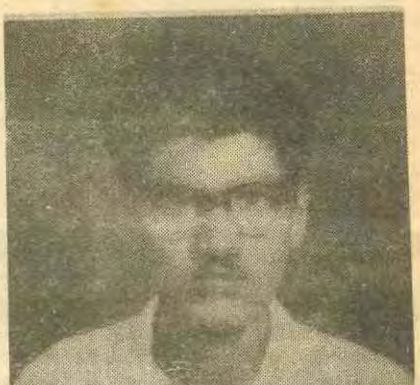
"جنرل سیکرٹری نے جو رپورٹ آپ کے سامنے پیش کی وہ ظاہر کرتی ہے کہ مزدوروں کو کس کس طرح سے انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا ۔ وہ تمام گھناؤنے طریقے انتظامیہ اور اس کے ایجنٹوں نے اختیار کئے جس کے ذریعہ ہمارے اتحاد کو توڑا جا سکے ۔ ہماری یونین کو بے کار بنایا جا سکے لیکن منظم اور متحد مزدوروں نے ایسی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا ۔ میں انتظامیہ کے نمائندوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ سازشیں صرف اور صرف ہمیں متحد کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اب باشعور مزدوروں کو شکست دینا آسان نہیں ہے ۔

میں انتظامیہ سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ وقت کے دھارے کو پہچانے وہ مزدوروں کی عظمت کو تسلیم کرے ۔ اس میں صرف انھیں کا نہیں بلکہ ملک کا بھی فائدہ ہوگا ۔ کیونکہ روپیہ خود کچھ نہیں پیدا کر سکتا ۔ بلکہ یہ ہماری محنت ہے جس کے ذریعے بے جان چیزیں مہنگے داموں بکتی ہیں ۔ اور یہ تو ہماری انتظامیہ بھی جانتی ہے کہ آج اس پریس میں جو نئی مشینیں آئیں ۔ نئی بلڈنگ بنی ۔ حصہ داروں کو منافع ملا ۔ وہ کہاں سے آیا ۔ اس کے باوجود اس ادارے میں مزدوروں کے ساتھ غیر انسانی توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے ۔ انکی ننگی تلاشی تک لی جاتی ہے ۔ ہم سیکوریٹی کے اس گھناؤنے طریقے کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ اور ہم انتظامیہ کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہاں جو چوریاں ہوتی ہیں اس کے ذمہ دار یہ ننگی تلاشی دینے والے مزدور نہیں بلکہ وہ افراد ہو سکتے ہیں جنکی تلاشی نہیں لی جاتی ۔

مزدوروں نے پرجوش انداز میں تالیاں بجائیں ۔ کیونکہ وہ انکی زبان میں بول رہے تھے ۔ وہ ان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے ۔

"ہم انتظامیہ سے مطالبات پر بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی لئے ہم نے انتظامیہ کو اس جلسے عام کی اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنا نمائندہ بھیج دیں ۔ تاکہ وہ دیکھ لے کہ ہم کتنے منظم اور متحد ہیں ۔ اور یہ کہ یہ مطالبات کسی فرد واحد کے ذہن کی پیداوار نہیں ۔ بلکہ یہ مزدوروں کے اپنے مطالبات ہیں جنکے لئے وہ ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں لیکن انتظامیہ کے خیال کے مطابق یہ جلسہ قانونی طور پر مناسب نہیں تھا ۔ اسی لئے کوئی نہیں آیا ۔

انتظامیہ کا کوئی نمائندہ اس جلسے میں آیا یا نہیں ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ ہم انتظامیہ کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو فیصلہ کوئی نہ کر سکے اسے مزدور کر سکتے ہیں ۔ جنرل باڈی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا اور ہم اس فیصلے پر عملدرآمد کے لئے ہر طرح تیار ہیں ۔ پرجوش مزدوروں نے تالیوں کی گونج میں مطالبات



محمد رزاق



بابو خاں



فضل الرحمٰن

کے لئے ہر قربانی دینے کا عزم کیا۔ محمد یامین کی تقریر کے بعد انتخابات شروع ہوئے اور یہ سلسلہ ۸ بجے رات تک جاری رہا جسکے بعد منتخب عہدیداروں نے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔



بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں:۔ سرور خان (رکن مجلس انتظامیہ) بشیر احمد ماہر (رکن مجلس انتظامیہ) زین الدین (فنانشل سیکریٹری) محمد۔ یاض عباسی (نائب صدر) بالو خاں (پبلسٹی سیکریٹری) ملک عبدالعزیز (رکن مجلس انتظامیہ) کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں:۔ بشیر احمد (رکن م ا) محمد اسلم (رکن م ا) محمد رفیق (رکن م ا) نور الدین (رکن م ا) ابرار حسین (رکن م ا)۔

پیرس ملز میں دھاندلیاں۔

لانڈھی۔ پیرس ملز میں اب دھاندلیاں اپنے عروج پر ہیں۔ حالانکہ اب بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کو ختم کردی گئی ہے۔ مگر مزدوروں کو اوور ٹائم پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن انھیں اس کا معاوضہ سنگل ریٹ سے ہی ادا کیا جاتا ہے اور جو مزدور اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے اسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ منتظمین اس سلسلہ میں بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہیں تاکہ قانون کی گرفت میں نہ آجائیں۔ جو مزدور چار گھنٹے اوور ٹائم کرتا ہے اس کا اندراج رجسٹر میں صرف دو گھنٹہ کیا جاتا ہے اس طرح چار گھنٹہ کے اوور ٹائم کو سنگل ریٹ سے ادا کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں ۲۰ اگست کو تقریباً ۷ آدمیوں کو نکال دیا گیا جن میں چھ مزدور مستقل تھے انھیں نہ کوئی چارج شیٹ ملی اور نہ ہی کوئی نوٹس دیا گیا۔ مزدوروں کے ایک نمائندے نے بتایا کہ پیرس ملز کے حالات روز بروز بگڑتے جارہے ہیں اور افسوسناک حد تک خطرناک بھی ہیں۔ مزدور اس سلسلہ میں قانونی چارہ جوئی کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔

آرچی فاراویل لیبارٹریز۔

لانڈھی۔ آرچی فاراویل لیبارٹریز کی یونین کے ایک نمائندے نے نمائندہ "منشور" کو بتایا کہ منتظمین نے اپنے کئے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مزدوروں کو تنگ کرنا شروع کردیا ہے گذشتہ ماہ مسٹر چاند خاں اسٹور کیپر کو غیر قانونی طور پر برطرف کردیا گیا اور ان پر نافرمانی کا جو چارج لگایا گیا ہے اُسکی باقاعدہ انکواری بھی نہیں کرائی گئی اور انھیں صفائی کا موقع نہیں دیا گیا مزید معلوم ہوا ہے کہ خواتین ورکرس کو زچگی کی چھٹی بھی نہیں دی جارہی۔ امت الکریم زچگی کی رخصت سے جب واپس آئی تو اسے نہ صرف کام پر واپس لینے سے انکار کردیا بلکہ انھیں اس عرصہ کی تنخواہ بھی نہیں دیگئی معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ بالا ورکرس نے فیکٹری انسپکٹر کو رپورٹ کردی ہے امید ہے کہ جلد ہی اس سلسلے میں مشترکہ اجلاس بلایا جائے گا۔

جیب ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین کے خزانچی یوسف خان صاحب تا حکمِ ثانی معطل کر دیئے گئے

کراچی (نمائندہ منشور) جیب ٹیکسٹائل ملز میں نو منتخب صحیح اور ایماندار مزدور رکارکنوں کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہیں ملز کی انتظامیہ کے ان افسران کی جانب سے جن کا باقاعدہ گٹھ جوڑ پاکٹ نمائندوں کے ساتھ ہے رویہ سخت منتقمانہ ہو گیا ہے یہ لوگ پولیس اور سی آئی ڈی کے چھوٹے افسران اور نچلے درجے کے ملازمین کے ذریعے ورکروں کو دھمکیاں دلوا رہے ہیں اور بڑے اعتماد کے ساتھ چودہ سال۔ سات سال۔ دو سال حسب درجات جیل بھجوانے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ انتقامی کارروائیوں کا تازہ ترین شکار یونین کے خزانچی جناب یوسف خاں صاحب ہوئے ہیں۔ انہیں ڈیوٹی سے گھر جاتے ہوئے مورخہ ۱۱ اگست کے دن تین بجے آفس میں بلا کر فرضی الزام کا چارج شیٹ دیا گیا جس میں مزدوروں کو ہڑتال پر اکسانے کا الزام لگایا گیا اور عینی شاہد کے طور پر پاکٹ عہدیداروں میں سے دو کا نام بطور گواہ لکھا ہوا تھا اور چوبیس گھنٹے کے اندر تحریری جواب مانگا گیا۔

حسب الحکم مقررہ مدت سے پہلے اس چارج شیٹ کا جواب دے دیا گیا اور اس جواب کی بنا پر ۱۸ اگست کے دن کے ساڑھے تین بجے انکوائری رکھی گئی۔ لیکن انکوائری سے پہلے ہی ۱۶ اگست کی رات کو گیارہ بجے یوسف صاحب کو ڈیوٹی کے دوران ملز کے ایڈمنسٹریٹیو آفس میں طلب کیا گیا جہاں باوردی اور سفید پوش پولیس کے لوگ اور کچھ نامعلوم افراد پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ یوسف خان صاحب کو تقریباً ایک گھنٹہ تک دھمکاتے رہے اور مطالبہ کرتے رہے کہ وہ ملز سے کام چھوڑ کر کراچی سے چلے جائیں لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے اس کے بعد پھر سے مزدوروں کو ہڑتال پر اکسانے کا جھوٹا الزام لگاتے ہوئے انہیں تا فیصلہ معطلی کا آرڈر دے کر گیٹ سے باہر کر دیا گیا اس حکم نامے پر گیارہ بجے شب ۱۷ اگست لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ اس وقت بارہ بجے کا عمل تھا اور ۱۶ تاریخ۔ ان واقعات کی فریاد کرنے کے لئے یوسف خاں صاحب جب ۱۷ اگست کی صبح آٹھ بجے ملز پہنچے تو پولیس والے انہیں متعلقہ علاقے کے تھانے لے گئے ایک گھنٹہ تک پوچھ گچھ کرنے کے بعد چھوڑا ۱۹ اگست کو یوسف خاں صاحب ملز منیجر کے پاس تحریری شکایت لے کر پہنچے تو ان سے پھر آٹھ بجے رات سے ساڑھے دس بجے رات تک منیجر صاحب پولیس افسران کی موجودگی میں حساب لے کر کراچی سے بھاگ جانے کا مطالبہ کرتے رہے آخر ناکام ہو کر ۲۰ اگست کو اپنے گواہوں کے ساتھ انکوائری کے لئے حاضر ہونے کا آرڈر دے کر انہیں گیٹ باہر کر دیا۔ یوسف خاں صاحب نے انکوائری کی طلبی کے جواب میں دیئے جانے والے بیان میں یونین کے نمائندگی کے دعوے دار دو فریقوں کے بیچ میں ملز انتظامیہ کا ایک فریق کے ساتھ جو تمام مزدوروں میں غیر مقبول ہے کھلم کھلا ہمت افزائی رکھنے اور صحیح مزدور کارکنوں کے ساتھ منتقمانہ روش اختیار کرنے پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ مینجمنٹ اگر انکوائری کرنا ہی چاہتی ہے تو یقین دلایا جائے کہ یونین کی نمائندگی کے دعوے دار دونوں فریقوں کے جھگڑے میں ملز انتظامیہ غیر جانبدار رہے گی۔ گواہ میں پیش ہونے والے مزدوروں کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی جائے گی۔ اور نیز انکوائری کے دوران ملز سے غیر متعلقہ افراد اور پولیس کے لوگ نہیں بیٹھیں گے۔ مذکورہ بالا ملز کے مزدور ٹریڈ یونین شعور کے معاملے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ۱۹۶۳ء میں جب ٹریڈ یونین تحریک کو کچل کر موجودہ ماحول بنانے کی کارروائی ہو رہی تھی تو سب سے زیادہ اس کارروائی کا شکار یہیں کے مزدور ہوئے۔

جیب ٹیکسٹائل ملز لیبر یونین جو مزدوروں کی صحیح نمائندہ جماعت تھی اس کے تمام سرگرم کارکنوں کے لئے گیٹ بند کر دیا گیا بیشتر نمائندے یونین کے صدر اور بزرگ مزدور رہنما چاچا علی جان کے ساتھ جیل میں بند کر دیئے گئے لگے ہاتھوں رجسٹرار آف ٹریڈ یونین کے ذریعے اس یونین کی رجسٹریشن کی منسوخ کروا دیا گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر چند خود غرض لوگوں کے سامنے لا کر یونین بنالی تمام رجسٹریشن کروالی گئی اور ہنگامی حالت سے پیدا شدہ خوف وہراس سے فائدہ اٹھا کر ملز کے تمام مزدوروں کو جبراً ممبر بنا لیا گیا لہٰذا اس طرح یہ خود ساختہ مزدور لیڈر مزدوروں سے چندہ بھی وصول کرتے رہے اور مزدوروں پر ظلم وستم کرنے میں بعض افسروں کے آلۂ کار بنے رہے۔ اس دوران سینکڑوں مزدور نکالے گئے غنڈہ گردی کا شانہ بنے مزدوروں کے مفاد کے منافی دو معاہدے ہوئے جس کے بعد مزدور اپنی سابقہ حاصل کی ہوئی سہولتوں سے بھی محروم ہو گئے ان حالات کے نتیجے میں مزدور یہ جان مزدور مفاد کے دشمن کے خلاف متحد ہو گئے۔ اور یونین کے دستور کی دفعہ ۲۵ کی ذیلی دفعات۔ا۔ ب۔ج اور د کے تحت یونین کا ہنگامی اجلاس بلانے کے لئے۔ یونین کے صدر اور جنرل سکریٹری کو ۸ مارچ ۱۹۶۵ء کو ایک نوٹس دے دیا جس پر ۷۰۵ ممبران یونین کے دستخط ثبت تھے اور مسلسل دو سال سے یونین کے انتخابات نہ کروانے اور ٹریڈ یونین کے منافی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر ان ممبران کی سخت مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ وہ دستور میں دی ہوئی مدت کے اندر اندر عام اجلاس بلا کر اپنی صفائی پیش کریں اور نئے انتخابات کروا کے یونین کو صحیح معنوں میں مزدوروں کی نمائندہ جماعت بنائیں۔ لیکن ان عہدیداروں نے میعاد گزرنے پر بھی یہ اجلاس نہیں بلایا۔ دستور میں مندرج گنجائش کے مطابق تمام ممبروں نے یہ اجلاس متعلقہ جگہوں پر اطلاع دے کر اور پوسٹروں کے ذریعے تشہیر کرنے کے بعد پٹھان کالونی میں منعقد کروایا اور اسی میں یونین سے مفاد پرست عہدیداروں کو برطرف کر کے نئے عہدیدار منتخب کر لئے اس تمام کارروائی کی اطلاع رجسٹرار صاحب ٹریڈ یونین کراچی کو دی گئی اور رجسٹرار صاحب موصوف نے یہ کیس کی انکوائری کے لئے جناب لے گئے۔ ہم [illegible] لیبر آفیسر کے سپرد کیا جنہوں [illegible] کیس جو انہیں فراہم کر دی گئیں اور اس کیس میں مزدوروں نے پیروی کرنے کے لئے جناب این ایوب صاحب کو اپنا نمائندہ نامزد کیا۔ آفیسر موصوف نے ۲۶ جون کو ان نمائندوں کا اجلاس آٹھ بجے صبح بلوایا تھا لیکن ۲۵ جون کو چاچا علی جان کے ساتھ ہی این ایوب صاحب دفعہ ۱۰۷-۱۱۷ کے تحت گرفتار کر لئے گئے اور مقررہ تاریخ پر لیبر آفیسر متعلقہ نے مزدور نمائندوں سے یہ کہہ کر بات کرنے سے انکار کر دیا کہ اس معاملے میں صرف این ایوب صاحب ہی سے کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ قانونی معاملہ ہے اب اس کیس کے فیصلے کی تحریری اطلاع بھیج دی جائے گی۔ اس کے بعد پاکٹ نمائندوں کی طرف سے صحیح مزدور کارکنوں پر ایک جھوٹا مقدمہ زیر دفعہ ۱۱۴ دائر کیا گیا جس میں یونین کے سات سرگرم کارکن ماخوذ ہیں اور فی الحال ضمانتوں پر رہا ہیں۔ اور اس طرح روایتی سرخ فیتے اور لیبر ڈپارٹمنٹ کی خصوصی پالیسی کے نتیجے میں پیدا شدہ صورت حال سے مزدور دشمن نام نہاد پاکٹ عہدیداروں اور ان کے سرپرست افسرانِ ملز نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ اور مزدوروں میں یہ تاثر پیدا کیا جا رہا ہے کہ ملز مالکان نہ صرف یہ کہ مزدوروں کے ساتھ من مانی کر سکتے ہیں بلکہ حکومت سے بھی جو چاہے کروا سکتے ہیں۔ اس لئے مزدوروں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ مالکان کے خوشامدی نام نہاد عہدیداروں کی خوشنودی ہر قیمت پر حاصل کریں۔ تاکہ ہنوز رجسٹرار صاحب موصوف کے مقرر کردہ لیبر آفیسر نے اس فیصلے کی رپورٹ پیش نہیں کی ہے اور مزدوروں میں شدید بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔

● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ●

مردان کی خبریں

مردان۔ ۱۵ اگست (نمائندہ خصوصی) لوکل باڈیز ایمپلائز یونین رجسٹرڈ پشاور ریجن کا ایک اجلاس عام زیر صدارت جناب عبدالغفور خان صدر ٹاؤن ہال مردان میں منعقد ہوا جس میں پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژنوں سے میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں اور ٹاؤن کمیٹیوں کے نمائندگان نے حصہ لیا۔ یونین کے جنرل سکریٹری مسٹر وطن خان ——— نے ایجنڈے میں چند اہم مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ صوبائی لوکل گورنمنٹ سے صوبائی سطح پر بلدیاتی اداروں کے ملازمین کے لئے جو بھی احکامات نوٹیفکیشنز کی صورت میں جاری کئے جاتے ہیں۔ اور جن میں ملازمین کا مفاد مضمر ہو۔ لیکن جہاں تک بلدیات میں ان پر عمل درآمد کا تعلق ہے۔ ان کے منتظمین ان احکامات پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اور اگر ہمیں ملازمین کی شدید مطالبات پر ایسے احکامات پر عمل درآمد کے لئے منتظمین کی توجہ دلاتے ہیں تو احکامات یا مراعات میں سے ملازمین کو دس فیصد حق بھی نہیں دیا جاتا۔ آپ نے طبی سہولیات اور پنشن کے متعلق بتلایا کہ ابھی تک پشاور ریجن کی ۳۲ بلدیاتی اداروں میں سے پانچ بلدیات کو بھی طبی یا پنشن کی مراعات نہیں

ملی ہیں۔ اور ان میں چند ایک کے کاغذات صوبائی دفتر میں زیر فیصلے کی نذر ہیں۔ جس کے متعلق یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ پانچ سال میں بھی حل ہوں۔ آپ نے بلدیات کی مرکزی دفتر کی لاپرواہی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ بلدیات پشاور ریجن کے اس وقت ایسے درجنوں کیس مرکزی دفتر میں لٹکے ہوئے ہیں جن پر کئی سال گزر جانے پر بھی فیصلہ نہیں ہوئے اور جب کاغذات کے پیچھے لاہور جانا پڑے تو کاغذات کا نام و نشان نہیں ملتا۔ آپ نے کہا کہ بلدیات کے ان غریب ملازمین کو معمولی معمولی کاموں کے پیچھے بار بار لاہور جانا پڑتا ہے لیکن ہر بار انہیں مایوس لوٹنا پڑتا ہے۔ آپ نے بلدیات میں مقامی طور پر ملازمین کی پریشانیوں اور تکالیف پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ بلدیات کے کونسلران صاحبان کی بالادستیوں سے نہ تو ملازمین کی ملازمت محفوظ رہ گئی ہے اور نہ ہی انہیں ان کا بنیادی حق دیا جاتا ہے جس کے وہ اخلاقی اور قانونی طور پر مستحق ہیں۔ آپ نے کہا ہے کہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بلدیات کے کونسلران صاحبان سے کسی بلدیاتی ملازم کی ملازمت اور حق محفوظ نہیں ہے۔ مقامی باشندے ہونے کی صورت میں اکثر ایک دوسرے کے مابین اختلافات ہوتے ہیں خواہ وہ اختلافات کونسلر یا ملازم یا کونسلران کے مابین ہی کیوں نہ ہو۔ جب کا نشانہ ہر دو صورت میں ملازم ہوئی لگتا ہے آپ نے کہا کہ اس قسم کی کئی ٹھوس قیاس موجود ہیں۔ ان حالات اور واقعات کی روشنی میں آج بلدیاتی ملازمین گوناں گوں مشکلات اور تکالیف سے دوچار ہیں۔ اگر حکومت ان پر ابھی سے کوئی توجہ نہ دے تو بلدیات کا انتظام ایک دن ناقابل حل مسئلہ کی صورت اختیار کرے گا۔ آخر میں درج ذیل قراردادیں متفقہ طور پر پاس کی گئیں۔ صوبائی محکمہ بنیادی جمہوریت اور لوکل گورنمنٹ سے استدعا کی گئی کہ (ا) ٹاؤن کمیٹیوں کو مجوزہ سکیل کی منظوری بلاتاخیر دی جائے (ب) بلدیاتی ملازمین کو مقامی منتظمین طبی سہولیات اور پنشن کی مراعات دے (ج) بلدیات میں کونسلران کی بالادستی سے ملازمین کی ملازمت اور حقوق کا تحفظ کیا جائے اس سلسلے میں میجر چیلٹی کے اختیارات کنٹرولنگ اتھارٹی کو دیئے جائیں۔ اور چائلڈ ریلیٹی کے اختیارات ادارے کے ساتھ منسلک رہے جس پر اپیل کا حق ہیڈ برابر ہو (د) ہیڈ کلرک اور سپرنٹنڈنٹ چونگی کو بھی لوکل کونسل سروس میں مدغم کیا جائے اور جو بھرتی پچاس فیصد باہر سے ہے اسے بند کر کے متعلقہ بلدیاتی ادارے سے سنیارٹی کے مطابق اسامیوں کی خانہ پوری سو فیصد ملازمین سے کرائی جائے۔ (ر) لوکل کونسل سروس رولز ۱۹۶۳ء کے شیڈول میں متعلقہ اہلکاران کو نہ تو اس مطابق تنخواہ دی گئی ہے اور نہ ہی ان کو اس سروس میں شامل کیا گیا ہے۔ نیز جو کوالیفائڈ اکاؤنٹنٹ مسلسل تین سال سے ملازمت میں ہیں ان کو کوالیفائڈ تصور کر کے لوکل کونسل سروس کے شیڈول میں ان کا نام درج کیا جائے۔ ایک اور قرارداد میں گورنر مغربی پاکستان سے استدعا کی گئی کہ پشاور ریجن کے بعض بلدیاتی اداروں سے درجنوں کیس مرکزی دفتر لاہور میں کئی سالوں سے پڑے ہوئے ہیں جن کی نوعیت بے حد معمولی ہے۔ لہٰذا معمولی مسائل کے حل کے لئے کنٹرولنگ اتھارٹی کو اختیارات دیئے جائیں۔ ایک قرارداد میں پشاور ریجن کے بلدیاتی اداروں کے چیئرمین صاحبان سے درخواست کی گئی کہ وہ اسٹاف چونگی جو ۱۲ گھنٹے ڈیوٹی دینے کے بعد ۲۴ گھنٹے آرام کا وقفہ دے۔ آخری قرارداد میں میٹرک اور نان میٹرک کا امتیاز ختم کرانے کا مطالبہ کیا گیا جو مقامی بلدیات میں منتظمین نے پیدا کر دیا ہے۔

لوکل باڈیز ایمپلائز یونین رجسٹرڈ پشاور ریجن کا سالانہ اجلاس

مردان (نمائندہ خصوصی) گزشتہ روز ٹاؤن ہال مردان میں لوکل باڈیز ایمپلائز یونین رجسٹرڈ پشاور ریجن کا سالانہ اجلاس عام صبح دس بجے منعقد ہوا جس میں پشاور ریجن کے مختلف بلدیاتی اداروں سے ڈیڑھ صد نمائندگان نے شرکت کی۔ عبدالقادر خان چارسدہ میونسپلٹی نے اجلاس کی کاروائی تلاوت کلام پاک سے شروع کی اور بعد ازاں مسٹر سردار علی رطل جنرل سیکرٹری نے ایجنڈے کے مطابق سالانہ رپورٹ ہاؤس کے سامنے پیش کی جو منظور کی گئی۔ صاحب صدر جناب خٹک فتح محمد خان نے جملہ نمائندگان کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد سالانہ انتخابات یونین کے سلسلے میں انہوں نے سابقہ باڈی توڑ دی چنانچہ جناب سید سجاول شاہ ہیڈ کلرک میونسپلٹی مردان کے زیر صدارت و نگرانی آئندہ ایک سال کے لئے حسب

ذیل عہدیداران و ممبران مجلس عاملہ کا انتخاب متفقہ طور پر عمل میں لایا گیا۔ صدر جناب عبدالغفور خاں نواں کلی۔ سینئر نائب صدر محمد نقیب خاں پشاور جونیئر نائب صدر سید فہیم شاہ کوہاٹ۔ جنرل سیکرٹری سردار علی رطل بنوں۔ جوائنٹ سیکرٹری عبدالقادر تخت بائی۔ پروپیگنڈہ سیکرٹری میاں صفی شاہ کوہاٹ۔ خزانچی عبدالقدیر خاں مردان اور آرگنائزنگ سیکرٹری کرامت اللہ خاں مردان۔

ممبران مجلس عاملہ :- شاہ محمد عبدالرحمٰن پشاور۔ ملک شاہ زمان امان اللہ کوہاٹ۔ عبدالقادر خان محمد حسن چارسدہ۔ دلبر شاہ سردار حسین مردان۔ پیر سجاول شاہ ہدایت اللہ مردان۔ محمد اکرم نوشیروان تخت بائی محمد فرید اللہ داد نواں کلی۔ محمد یعقوب محمد افضل صوابی۔ گل نواز خان سید محمد محمد نواز شاہ بنوں۔

نوٹ :- مسٹر سردار علی رطل ٹریڈ یونین ایکٹ ۱۹۲۶ء ترمیمی آرڈیننس ۱۹۶۰ء کی دفعہ ۲۲ اور دوئم ترمیمی آرڈیننس مر ا × ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۲۲ (سی) کی رو سے یونین ہذا کے کل وقتی تنخواہ دار جنرل سیکرٹری آئندہ انتخابات تک منتخب ہوئے۔

لیبر مشاورتی بورڈ میں مسٹر رطل خاں کو لیا جائے

میانوالی۔ دی میونسپل محررز یونین رجسٹرڈ میانوالی کا ایک خصوصی اجلاس زیر صدارت میاں عبدالعزیز شاہ صدر دفتر یونین میں منعقد ہوا جنرل سیکرٹری گل خاں نیازی نے خصوصی اجلاس بلانے کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ امسال جو لیبر مشاورتی بورڈ حکومت نے تشکیل کر کے اس میں مختلف صنعتوں کے مزدوروں کے نمائندوں کو لیا گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حکومت نے مغربی پاکستان میں بلدیاتی اداروں جیسی اہم اور بنیادی صنعت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جبکہ اسوقت بلدیاتی اداروں کی درجنوں یونینیں صحت مندانہ طور پر کام کر رہی ہیں۔ لیکن اس بورڈ میں کسی بلدیاتی ملازمین کا نمائندہ نہیں لیا گیا۔ آپ نے کہا کہ اسوقت ہم بلدیاتی ملازمین پر مسٹر رطل خاں فخر ملازمین لوکل باڈیز و جنرل سیکرٹری لوکل باڈیز ایمپلائز یونین فرنٹیئر ریجن کے جو احسانات ہیں اور ہمارے لئے جو عظیم قربانیاں دی ہیں وہ قابل یادگار ہیں اور آج تک نہ صرف سابقہ سرحد میں کام کر رہے ہیں بلکہ آپ کی خدمت سے سابقہ پنجاب کے ملازمین بھی مستفیض ہو رہے ہیں اور جو اصول ایک حقیقی ٹریڈ یونین ورکر کے ہوا کرتے ہیں وہ موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لہٰذا اگر سب ساتھی متفق ہوں تو میں گورنر صاحب مغربی پاکستان کو بذریعہ قرارداد درخواست پیش کرتا ہوں۔ (جس کی جلسے نے تائید کی) قرارداد میں جناب گورنر صاحب مغربی پاکستان سے استدعا کی گئی کہ لیبر مشاورتی بورڈ میں اسوقت صوبے کے مختلف صنعتوں کے مزدوروں کو نمائندگی دی گئی ہے لیکن صوبے کے بلدیاتی ملازمین کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ جبکہ بلدیاتی ملازمین کے مسائل دوسرے مزدوروں سے کم نہیں ہیں۔ لہٰذا اجلاس لیبر مشاورتی بورڈ کے لئے مسٹر رطل خاں کو بورڈ میں شامل کرنے کی تجویز و حمایت کرتا ہے۔

مزدور قوانین کے خلاف صوبہ گیر تحریک

ڈھاکہ (نمائندہ منشور) صوبائی اسمبلی کے حالیہ منظور کردہ مزدور قوانین کے خلاف ہمہ گیر پیمانے پر جدوجہد کرنے کے لئے اینٹی لیبر لاز کی مجلس عمل نے پورے مشرقی پاکستان کے ٹریڈ یونین رہنماؤں اور نمائندوں کی ایک کانفرنس طلب کی ہے تاکہ مذکورہ جدوجہد کی تفصیلات مرتب کی جاسکیں۔ مجلس عمل نے اپنے اعلان میں کہا ہے کہ کانفرنس کی تاریخ اور مقام کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ اپنے گذشتہ اجلاس میں مجلس عمل اتوار کے دن صوبہ گیر مزدور ہڑتال اور جلسہ جلوس کے پروگرام کا جائزہ بھی لیا۔

ضلع مزدور کمیٹی لائلپور

ضلع مزدور کمیٹی لائلپور کا ایک عام اجلاس کمیٹی کے دفتر واقع امین پور بازار لائلپور میں زیر صدارت فقیر محمد منعقد ہوا جس میں حسب ذیل عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا ۔

صدر سیف خالد ایڈوکیٹ ، نائب صدر غلام رسول ، جنرل سیکریٹری عبداللطیف ۔ جوائنٹ سیکریٹری عبدالحفیظ اور عبدالستار ۔ پروپیگنڈہ سیکریٹری عبدالقیوم خازن رانا عبدالحمید ۔ آفس سیکریٹری عبدالعزیز ۔

علاوہ ازیں مختلف ملوں کے ۲۵ ممبران پر مشتمل مجلس عاملہ کا چناؤ عمل میں لایا گیا ۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ تمام مزدوروں کے مقدمات میں مفت قانونی امداد مہیا کیجائے گی ۔ چند ریزولیشن پاس ہوئے جن میں سے ایک میں مطالبہ کیا گیا کہ مزدوروں کی ہڑتال اور انجمن سازی پر سے پابندیاں اٹھائی جائیں اور صحت مند ٹریڈ یونین تحریک کے لئے رجسٹریشن سے متعلق طریقہ کار تبدیل کیا جائے تاکہ مزدوروں کے صحیح نمائندوں پر مشتمل ٹریڈ یونین بن سکیں ۔ صنعتی عدالتوں میں وکلاء کو مزدوروں کی طرف سے پیش ہونے کی اجازت دی جائے ۔ تاکہ مزدور بھی اپنے مقدمات کی صحیح پیروی کر سکیں ۔ ٹریڈ یونینز ایکٹ ، انڈسٹریل ڈسپوٹ ایکٹ اور دیگر قوانین کی ترمیم کرکے انھیں مزدوروں کے حقوق کا محافظ بنایا جائے اور تمام ، کالے قوانین منسوخ کئے جائیں ۔

پاکستان کو دی جانے والی امریکی امداد بند کر دینے کی دھمکی کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ امریکہ کے اس فعل سے امریکی امداد کا پول کھل گیا ہے کہ امریکہ ہر آزاد ملک کو اپنے سیاسی و سامراجی مقاصد کے حصول کی خاطر امداد مہیا کرتا ہے ۔ یہ امداد ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ کو اپنا غلام بنانے کا ایک سامراجی ہتھکنڈہ ہے ۔ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ایسی کوئی امداد مشروط طور پر ہرگز قبول نہ کیجائے جسکی خاطر قومی وقار کو ٹھیس پہنچے اصل ترقی صرف اپنے ملک کے ذرائع سے ہی ممکن ہے ۔ ایک تجویز میں مطالبہ کیا گیا کہ غیر ملکی سرمایہ بلا معاوضہ ضبط کیا جائے کیونکہ یہ سرمایہ ہمارے عوام کو لوٹ کر ہی پیدا کیا گیا ہے ۔ اجلاس نے مطالبہ کیا کہ ملکی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اجارہ داریوں کا خاتمہ کیا جائے اور تمام کلیدی صنعتوں ، بنکوں ، انشورنس کمپنیوں اور درآمدی برآمدی تجارت کو قومی ملکیت میں لیا جائے ۔ آخر میں ویت نام کے مجاہدوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یقین دلایا گیا کہ قومی رجعت پسندوں اور امریکی سامراج کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں پاکستان کے مزدور بھی ان کے ساتھ ہیں ۔

کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز لائلپور

کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز ایمپلائز یونین کے جنرل سیکریٹری جناب نسیم سید نے کارخانہ داروں سے اپیل کی ہے کہ وہ مزدوروں کی اجرتوں میں اسی فیصد اضافہ کردیں تاکہ ملک میں صنعتی امن بحال ہو سکے اور مزدور امریکی سامراج کے خلاف جدوجہد کر سکیں ۔

مزدور رہنما نے اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ جسطرح مزدوروں نے صنعتکاروں سے تعاون کی پیشکش کی ہے ۔ کارخانہ دار بھی ایسے ہی جذبے کا ثبوت دیں انھوں نے کہا کہ مزدور طبقہ نے کبھی بھی امریکی امداد کو پسند نہیں کیا ۔ کیونکہ امریکی امداد پاکستان کو ترقی کی بجائے پسماندہ بناتی ہے ۔ اور امریکہ پاکستان کے اندرونی ، معاملات میں مداخلت کے علاوہ اربوں ڈالر لوٹ لیتا ہے مسٹر نسیم نے امریکی مزدوروں سے بھی اپیل کی کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا میں امریکہ کی انسان دشمن پالیسی کے خلاف جدوجہد کریں ۔

انھوں نے کہا کہ ۳۰ جولائی کے امروز میں بعض مزدور لیڈروں کا ایک بیان چھپا ہے جسمیں مجھ ایسے خادم کا نام بھی درج ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں وفاداری نہیں بدلی انھوں نے کہا کہ مزدور لیڈروں نے اپنی طرف سے یہ اعلان کیا ہے کہ مزدور ہڑتال نہیں کریں گے ۔ ہڑتال لیڈروں کے بس کی بات نہیں ۔ بلکہ ہر کارخانہ دار پر منحصر ہے کہ وہ مزدوروں کو کس قدر سہولتیں فراہم کرتا ہے ۔ اگر سرمایہ دار مزدوروں کے جائز مطالبات تسلیم نہیں کرتے تو ہڑتال کو کوئی بھی نہیں روک سکتا ۔ لہٰذا اس قسم کے اعلانات محض سرمایہ داروں کو خوش کرنے کے لئے کیئے گئے ہیں ۔

نے کہا کہ پاکستان بھر کے مزدور حکومت کی خارجہ پالیسی کے حامی ہیں اور اس کی پرزور تائید کرتے ہیں اور وہ ہر سوشلسٹ ملک کے پاکستان کے تعلقات کو تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہیں ۔ کیونکہ اس سے پاکستان کی آزادی اور خود مختاری قائم رہ سکتی ہے اور ملک میں عوامی جمہوریت بحال کرنے میں مدد مل سکتی ہے ۔

نسیم سید نے بعض مزدور لیڈروں کی طرف سے ۳۰ جولائی کے امروز میں چھپنے والے بیان میں اپنے نام کے چھپنے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس روز میں ملتان میں تھا اور میری ہی طرح اور بھی چند مزدور لیڈر اس روز لاہور میں نہیں تھے ۔ انھوں نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ حیرت ہے کہ صحت مند مزدور تحریک میں شگاف ڈالنے کے لئے مجھ ایسے پرانے خادم کا نام بھی مذکورہ بیان میں شامل کر لیا گیا ہے ۔ جس کی میں پرزور تردید کرتا ہوں اور اس امر کا اعلان کرتا ہوں اور اقرار بھی کہ پاکستان میں صحت مند مزدور تحریک کے استحکام کی خاطر مزدوروں کے بنیادی حق ہڑتال سے ہرگز انحراف نہیں کر سکتا اور اسے حاصل کرنے کے لئے خواہ کتنی بار جیل جانا پڑے جاؤنگا اور کتنی ہی قید و بند کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں خندہ پیشانی سے قبول کرونگا ۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ متعدد بار جبر و تشدد کا شکار رہا ہوں اور کئی دفعہ بااثر شخصیتوں کے زیر عتاب رہا ہوں ۔ مگر اپنے مسلک سے گریز اپنی موت سمجھتا ہوں ۔

ضلع مزدور کمیٹی کے جناب سیف خالد ایڈوکیٹ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انکی کمیٹی نے مزدوروں کے مقدمات رضاکارانہ طور پر لڑنے کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں انھوں نے کہا سیف خالد کی سابقہ روایات کے مطابق یہ فیصلہ بہت ہی خوب ہے ۔



بونس واؤچر
۷،۴۰۰،۰۰ روپے
ایکس پلانٹ کراچی
۲۲،۲۲۰،۰۰ روپے

A PRODUCT OF CHRYSLER INTERNATIONAL

آپ کے لئے آسان قسطوں پر
مکمّل پُرزہ جات
حاضر اسٹاک سے دستیاب ہیں

رجوع کریں:- کراچی آٹوز گارڈن روڈ۔ کراچی

فون - ۷۰۰۰۸ - ۷۲۷۰۲ - ۷۱۳۶۲ - ۷۰۲۱۵ - ۷۱۶۸۵-۹۰

noon advertising

REGD.NO. S - 2575

THE MONTHLY MANSHOOR KARACHI